آزاد کشمیر

از ~~~~~ پنڈت پریم ناتھ بزاز

مترجمہ ~~~~~ اے۔ ایچ۔ نظامی

فیروز سنز

پرنٹرز، پبلشرز، بک سیلرز اینڈ اسٹیشنرز

کراچی ——— لاہور ——— پشاور ——— لندن۔ این۔ ۳

بندر روڈ ——— ۶۰ دی مال ——— ۳۵ دی مال ——— بیک اسٹاک روڈ

بار اوّل ——— ۱۹۵۴ء ——— قیمت ۳ روپے آٹھ آنے

فہرست مضامین

کہنے کی باتیں	۵
عرض حال مترجم	۱۱
پہلا باب۔ ہندوستان کہ پاکستان	۱۲
دوسرا باب۔ سیاسی آزادی	۴۶
تیسرا باب۔ معاشی نظام	۹۵
چوتھا باب۔ تعلیم تربیت	۱۱۵
پانچواں باب۔ سماجی پروگرام	۱۳۳
چھٹا باب۔ قول وفعل	۱۴۴
ساتواں باب۔ آزاد کشمیر اور دنیا	۱۵۴

پنڈت پریم ناتھ بزاز

کہنے کی باتیں

دنیا اب "آزاد کشمیر" کے نام سے واقف ہو چکی ہے۔ برِ عظیم ہندوستان کی تقسیم کے فوراً بعد ریاست جموں و کشمیر کے مہاراجہ نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا ارادہ کیا۔ لیکن ریاست کی اکثریت یعنی مسلم رعایا نے اس ارادے کے خلاف بغاوت کر دی۔ ان "باغیوں" نے ریاست کے شمال مغربی علاقوں میں "جمہوریہ آزاد کشمیر" کے نام سے اپنی حکومت قائم کر لی۔

آزاد حکومت کی آئینی حیثیت اور قانونی موقف کے متعلق مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ بھارت کے رجعت پسند ہندوؤں کا خیال ہے کہ "آزاد کشمیر" کی تحریک لٹیروں، باغیوں اور قاتلوں کی منظم غارت گری کا دوسرا نام ہے یہ واضح رہے کہ یہ ہندو کشمیری مسلمانوں کے جمہوریت پسندانہ رجحانات کی اس زمانہ سے کڑی مخالفت کر رہے ہیں۔ جب ان آزادی کے متوالوں نے پہلی بار ۱۹۳۱ء میں ظالم ڈوگرہ سامراج کے خلاف سر اٹھایا تھا۔ ان کی رائے میں صرف نیشنل کانفرنس ہی ریاست کے چالیس لاکھ باشندوں کی واحد نمائندہ اور ہر دلعزیز جماعت ہے۔ یہاں ایک بات یاد دلانا خالی از دلچسپی نہیں۔ کہ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۹ء تک یہی ہندو طبقہ شیخ عبداللہ اور ان کے

ساتھیوں کو ہدفِ ملامت بناتا رہا تھا۔ بہت سے لوگ تو کشمیر کی جنگ شروع ہونے تک بھی نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کو حقارت اور نفرت سے یاد کیا کرتے تھے۔ لیکن اب بھی لوگ ہیں جو شیخ عبداللہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اور "آزاد کشمیر" کی مذمت میں پیش پیش ہیں۔ بہر حال اس وقت چند ہی ایسے ہندو ہیں۔ جو آزاد کشمیر کی حمایت کرتے ہیں۔ دوسری طرف دنیا کے تمام مسلمان خصوصاً پاکستانی عوام تحریک آزاد کشمیر اور اس کے راہنماؤں کی پوری حمایت میں نظر آتے ہیں۔ ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ اس تحریک کی خامیوں کو بھی خوبیوں کے رنگ میں پیش کیا جائے۔ پاکستان کے مسلمان اس تحریک کو ریاست کے دکھی، مظلوم اور غریب عوام کے دلی جذبات کا آئینہ دار سمجھتے ہیں۔

یہ دونوں نظریئے سستی جذباتیت پر مبنی ہیں اور ان کی وجہ سے برعظیم کے گوشہ گوشہ میں دونوں فرقوں کے درمیان تلخی اور کشیدگی بڑھتی جا رہی ہے۔ اور اس کا اثر نہ صرف ہندو پاکستان کے باہمی معاملات پر ناخوشگوار پڑ رہا ہے۔ بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بھی بے گانگی کی خلیج وسیع ہو رہی ہے۔ یہ صورت حال کا بہت افسوس ناک پہلو ہے۔

دراصل بیرونی دنیا کشمیر کے باشندوں کی اس تحریک کے مقصد اور اس کے آغاز کے اسباب سے بالکل بے خبر ہے۔ ریاست کے باہر کے کسی شخص کو معلوم نہیں کہ یہ تحریک مسئلہ الحاق سے بھی پہلے کی ہے۔ حتیٰ کہ اس کا نام "آزاد کشمیر" بھی بہت پہلے پڑ چکا ہے۔ اور تقسیم ہند یا ظہور پاکستان سے کافی مدت پہلے ریاستی ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر اس کا سنگِ بنیاد رکھا تھا۔ البتہ ان کے ذہن میں آزاد کشمیر کا جو تصور تھا۔ وہ بالکل مختلف نوعیت کا تھا۔ اس تحریک کی اساس انسانیت پرور اور جمہوریت نواز سوشلزم پر رکھی گئی تھی۔ میرا یہ خیال ہے کہ اگر یہ پس منظر سب کے سامنے آ جائے۔ تو بہت سی باہمی تلخیاں اور کشیدگیاں دور ہو سکتی ہیں۔ اور مسئلہ کشمیر کی موجودہ الجھنوں کو سلجھایا جا سکتا ہے۔

"آزاد کشمیر" کا نعرہ سب سے پہلے کسان مزدور کانفرنس کے پہلے جلاس میں بلند کیا گیا تھا۔ یہ شاندار اجلاس ۱۲ر مئی ۱۹۴۶ء کو ضلع اننت ناگ کے ایک گاؤں کایا مرگ میں منعقد کیا گیا تھا۔ دراصل کسانوں اور مزدوروں کے نمائندوں کے گزرنے کے لئے پنڈال کے جو دروازے بنائے گئے تھے ان میں سے ایک کا نام "آزاد کشمیر گیٹ" تھا۔

اس جلسہ میں پارٹی کا دستور اساسی تیار کیا گیا۔ جس میں "آزاد کشمیر" کا سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تمدنی خاکہ مختصر الفاظ میں کھینچا گیا تھا۔ اور اس کا حصول پارٹی کا نصب العین قرار پایا۔

یہ فیصلہ بھی ہوا کہ ایک ایسا تفصیلی منشور تیار کیا جائے جو بنیادی دستور کے جامع بیان کی تشریح کرے۔ پارٹی کی مجلس عمل نے اس منشور کا مسودہ تیار کرنے کے لئے مجھے مامور کیا۔ ابھی میں کچھ کرنے بھی نہ پایا تھا کہ ہندوستان کی تقسیم ہو گئی۔ اور مجھے اپنے سینکڑوں ساتھیوں سمیت آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ جہاں میں تین سال تک نظر بند رہا۔ ہندوستانی مقبوضہ

کشمیر کی حکومت نے مجھ پر کسی کتاب وغیرہ کے لکھنے کے سلسلہ میں پابندی عائد کر دی۔

ابھی ہم جیل کی چار دیواری میں محبوس تھے کہ سننے میں آیا کہ ریاست کے ایک حصہ میں "آزاد حکومت" قائم ہو گئی ہے۔ حیران کن بات یہ تھی۔ کہ اس حکومت کا نام "آزاد کشمیر" رکھا گیا۔ اس کی داغ بیل مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے ڈالی تھی۔ اور ساری کابینہ اسی کانفرنس کے نمائندوں پر مشتمل تھی۔ دوسری سیاسی جماعتوں اور ریاست کے باشندوں کی طرح "آزاد کشمیر" کی حکومت کے سامنے بھی یہ مسئلہ تھا۔ کہ ریاست کا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہونا چاہیئے یا پاکستان کے ساتھ؟ یہ حقیقت ساری دنیا تسلیم کر چکی ہے کہ کشمیر کا فیصلہ خود ریاستی عوام کریں گے۔ جنہیں جمہوری طریقے سے غیر جانبدارانہ رائے دہی کا حق حاصل ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ رائے دہی کے نتائج کا انحصار اس بات پر ہے کہ مختلف جماعتیں عوام کے سامنے اپنا نصب العین اور آئندہ پروگرام کس طرح پیش کریں گی؟ رائے عامہ کا پلڑا اسی طرف جھکے گا جس طرف مکمل آزادی۔ مرفع الحالی اور آسودگی کی ضمانت ہو۔ میرے خیال میں یہی مناسب موقع ہے کہ ہمارا لائحہ عمل بھی منظر عام پر آئے۔ بدقسمتی سے اس وقت ہماری راہ میں بہت سی رکاوٹیں ہیں۔ سب سے مشکل تو یہ کہ موجودہ حالات میں ہماری پارٹی کے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں ہماری پارٹی کے کچھ اراکین سرحد التوا جنگ (Cease fire Line) کے اس پار جبراً بھیج دیئے گئے۔ صاحب صدر ابھی تک جیل میں بند ہیں۔ اور مجھے وادیٔ

کشمیر سے دیس نکالا مل چکا ہے۔

انہی حالات کے پیش نظر میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ تاکہ ریاست اور بیرون ریاست کے لوگ جان سکیں۔ کہ "آزاد کشمیر" کے متعلق ہمارا کیا نظریہ ہے؟

میں نے قضیۂ الحاق پر کافی توجہ سے سیر حاصل بحث کی ہے کیونکہ اس وقت یہ دنیا کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس اہمیت کے مدنظر ضروری ہوا کہ اس وقت اس کا پورا پورا تجزیہ کیا جائے۔ مسئلہ کشمیر کے ساتھ ہمارا تعلق بہت انوکھا اور عجیب سا ہے۔ کہ ایک غیر مذہبی تنظیم جس کے نظریات سراسر اشتراکی ہیں کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی حمایت کرتی ہے۔ حالانکہ پاکستان ایک ایسی مملکت ہے۔ جو اسلامی اصولوں پر قائم کی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اگر قارئین ٹھنڈے دل سے اس کتاب کو پڑھنے کی زحمت گوارا کریں۔ تو وہ محسوس کریں گے کہ اس انوکھے پن کی وجہ سے موضوع بحث کافی دلچسپ بن گیا ہے۔ تمام مسائل سے نپٹنے کے لئے میں نے اپنی پارٹی کے نظریات کو بھی عوام کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ میں نے اس کی پوری کوشش کی ہے۔ کہ یہ ساری تصریحات ہماری پارٹی کی قراردادوں اور اس کے اعلانات کے عین مطابق ہوں۔ لیکن پھر بھی پڑھنے والوں سے میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسے "کسان مزدور کانفرنس" کی قطعی رائے نہ سمجھا جائے۔

فی الحال یہ میرے ذاتی خیالات ہیں۔ پارٹی کے ہر رکن کو اس میں مناسب ردوبدل۔ ترمیم و تنسیخ اور کاٹ چھانٹ کا پورا حق حاصل ہو گا۔

اپنے مقصد کے اظہار کے لئے میں نے اس کتاب میں اسلوب بیان کو اپنا

لیا ہے۔ اس طرز بیان سے، اختلافی باتوں کو معمولی سوجھ بوجھ کا پڑھنے والا بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

میں اپنے ان احباب کا بے حد ممنون ہوں۔ جنہوں نے اس کتاب کے چھپنے سے پہلے اس کے مسودے پر بڑی محنت سے نظرِ ثانی کی۔ اور مجھے اپنے مفید مشوروں سے سرفراز کیا۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر میں مسٹر جی۔ ایم رضا، کا احسان مند ہوں۔ کہ انہوں نے بڑی توجہ اور جان فشانی سے اس کتاب کا پروف دیکھا۔

دہلی
ستمبر ۱۹۵۰ء

پریم ناتھ بزاز

عرضِ حالِ مترجم

پنڈت پریم ناتھ بزاز کا سیاسی مطمحِ نظر ہمیشہ صحت مند اور ترقی پرورانہ رہا ہے۔ ان کا فرقہ وارانہ آلودگی سے پاک تصورِ آزادی، بالغ نظر، انصاف پسند اور وسیع قلب لوگوں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ بزاز صاحب نہ صرف ریاست جموں و کشمیر بلکہ برّعظیم ہندوستان کے پہلے ہندو ہیں۔ جنہوں نے یہ بے باکانہ نعرہ لگایا۔ کہ کشمیر کا الحاق صرف پاکستان کے ساتھ ہو سکتا ہے کیونکہ کشمیر پاکستان کا جزوِ لاینفک ہے۔ حال ہی میں انہوں نے انگریزی میں ایک کتاب "آزاد کشمیر" لکھی ہے۔ میں نے اس کتاب کی افادی حیثیت کے پیشِ نظر اسے اردو میں منتقل کیا ہے۔ تاکہ وہ اردو دان لوگ جو انگریزی نہیں جانتے اس کتاب سے مستفید ہو سکیں۔

ڈوگرہ سامراج کی صد سالہ زنجیروں کو توڑنے کے لئے بزاز صاحب پیش پیش رہے ہیں۔ اب انہوں نے الحاقِ پاکستان کا نعرہ بلند کر کے چالیس لاکھ کشمیریوں کو منزلِ آزادی کے بالکل قریب کر دیا ہے۔ میں مسٹر جی۔ ایم رضا، کا بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے ترجمے کے کام سے عہدہ برا ہونے میں پوری مدد دی۔ ورنہ میں اس اہم ذمہ داری کو انجام دینے کا اہل نہیں تھا۔ (مترجم)

پہلا باب

ہندوستان کہ پاکستان؟

سوال ——— میں کشمیر کے مستقبل کے بارہ میں آپ کے خیالات جاننا چاہتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ پاکستانی ہیں اور مسلم لیگ کے نظریۂ جداگانہ قومیت کو مانتے ہیں۔ میرے خیال میں بھی آپ کشمیر کے پاکستان کے الحاق کی حمایت کرتے ہیں۔ اور موجودہ صورتِ حال کو برقرار رکھنے کے سخت مخالف ہیں۔ مجھے اس پر سخت اچنبا ہوا ہے کیونکہ یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ آپ جیسا تعلیم یافتہ ہندو جو ایک کہنہ مشق سیاست دان اور اپنی روشن خیالی کے لئے کافی مشہور ہے۔ اس قسم کے زائل اور فرقہ وارانہ اعتقادات رکھتا ہو۔ میری رائے میں یہ باتیں ایک دیش بھگت کے شایانِ شان نہیں ہیں۔

جواب ——— میرے سیاسی نظریات کے متعلق آپ نے جو باتیں بھی سنی ہیں۔ وہ یا تو مسخ شدہ ہیں یا بے بنیاد۔ میں اس مفہوم میں پاکستانی نہیں ہوں۔ جو پاکستان کا موجودہ برسرِ اقتدار طبقہ لیتا ہے۔ میں مسلم لیگ کے

دو قومی نظریہ کو بھی نہیں مانتا۔ میں نے لیگی تصورات کی ہمیشہ نکتہ چینی کی ہے اور دو قومی نظریئے کی دس سال ہوئے عین اس وقت مخالفت کی تھی۔ جب پہلی بار اسے قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے سامنے اپنے صدارتی خطبہ میں پیش کیا تھا۔ میں نے بلا مبالغہ ان گنت مضامین روزنامہ "ہمدرد" میں لکھے جن میں ثابت کیا گیا تھا۔ کہ اس نظریہ پر عمل کرنے میں سخت دشواری پیش آئے گی۔ اور اس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔ میری کتاب "گاندھی ازم"۔ "جناح ازم اور سوشل ازم" میں جو شاید آپ نے نہیں دیکھی صاف لکھا ہے۔ کہ برِ عظیم ہندوستان کے تمام باشندے ایک قوم ہیں۔ ان کو محض مذہبی بنیادوں پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان میں یگانگت کی اور بہت سی چیزیں مشترک ہیں اس کے باوجود اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے اس امر کی ہمیشہ تائید کی ہے کہ کشمیر کو صرف پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہیئے اور بھارت کے ساتھ شامل نہیں رہنا چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ ہندوستانی فوجوں نے ریاستی باشندوں کی مرضی کے خلاف کشمیر پر قبضہ جما رکھا ہے۔ یہ اقدام سراسر وحشیانہ پھیلاؤ پسندی ہے۔ جو کسی صورت بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔ اس کا نتیجہ خطرناک ثابت ہوگا۔ اس وقت تو صرف مسلمان ہی بھارتی حکومت کے مظالم کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ مگر آگے چل کر بدقسمتی سے اگر یہی صورتِ حال رہی۔ تو ہندوؤں کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا۔ جو شاید مسلمانوں کی نسبت زیادہ تلخ ہو۔ لہٰذا میں پکا ہندو اور سچا کشمیری ہونے کی حیثیت سے یہ مطالبہ کروں گا۔ کہ ہندوستانی فوجیں میرا پیارا وطن چھوڑ دیں۔ کشمیری جنتا

خود کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کرے گی۔ وہ مملکتِ ہندوستان ہو یا پاکستان۔ وہ صرف اس طرف جھکیں گے جدھر ان کا اپنا فائدہ ہوگا۔

آپ کے خیال میں قوم پرستی یا غیر مذہبیت صرف بھارت اور کانگرس کی اجارہ داری ہے۔ اور ایک سلجھے ہوئے قوم پرست کا عین فرض ہے۔ کہ وہ کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی ڈٹ کر حمایت کرے۔ خواہ کشمیری عوام اس کو پسند کریں یا نہ کریں۔ معاف رکھنا! میں تعصب کی اس بیماری کا شکار نہیں ہوں۔ میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ میرے سیاسی نظریات معقول اور سائنٹیفک ہوں۔ میں گاندھی نظریۂ قومیت کا اتنا ہی نکتہ چین ہوں جتنا کہ فرقہ پرستوں کے دو قومی نظریہ کا۔ ہندو پریس نے اپنے آن تھک اور لگاتار پراپیگنڈے سے آپ کو اس فریب میں مبتلا کر رکھا ہے کہ کانگرس ہی صرف متحدہ قومیت کی علم بردار جماعت ہے۔ اور وہ کسی فرقہ میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتی۔ جمہوریہ ہند ایک ایسی لادینی حکومت ہے۔ جہاں تمام فرقوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک برتا جاتا ہے۔" نظر اور سمجھ کے اس دھوکے کو آپ نے دیوبانی سمجھ لیا ہے۔ آپ چاہتے ہیں۔ کہ دوسرے لوگ بھی اندھا دھند آپ کی پیروی کرنے لگ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے خیالات آپ کے نزدیک قوم پرستی کے خلاف قابلِ گردن زدنی ہیں۔

آپ کو علم ہے کہ قوم پرست لیڈر اپنے ان لمبے چوڑے دعووں کے باوجود کہ ہندوستان اکھنڈ رہے گا۔ چپکے سے پاکستان کے قیام کو مان گئے برِعظیم کی تقسیم فرقہ وارانہ بنیادوں پر ہوئی۔ ملک کا وہ حصہ جہاں ہندو زیادہ

تھے۔ ہندوستان کہلایا اور جن علاقوں میں مسلم اکثریت تھی۔ الگ کر کے پاکستان بنا دیا گیا۔ کانگرسی مہاپرشوں نے دعوے کیا کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کے باشندے گاندھی جی کے فلسفہ کے شیدائی ہیں۔ اور وہ کبھی پاکستان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔ اس قسم کا دعوے آسام کے ایک ضلع سلہٹ کے بارے میں بھی کیا گیا۔ یہاں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ لیکن جوں ہی رائے عامہ معلوم کی گئی۔ حقیقت ظاہر ہو گئی۔ اور کانگرس کے سارے دعوے باطل ثابت ہوئے۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان برِعظیم کے سارے مسلمانوں کے لئے متحدہ قومیت کے نظریہ میں کوئی کشش نہیں ہے۔ اور وہ ہر صورت میں اپنا الگ وطن بسا کر رہنا چاہتے ہیں۔

کشمیر میں بھی مسلمان گنتی میں سب سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا دانش مندی اور جمہوریت کا تقاضا ہے کہ یہ خطہ بھی پاکستان کے ساتھ شامل ہو۔ سلہٹ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے انجام کو جانتے ہوئے پھر یہ زعم کرنا سراسر نادانی ہے کہ کشمیری مسلمان ہندوستان کے ساتھ رہنا پسند کریں گے۔ چنانچہ اس بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اور رفعِ شک کے لئے میں نے اور مجھ سے متفق لوگوں نے ستمبر ۱۹۴۷ء کے شروع میں اس امر پر زور دیا کہ کشمیر کی گتھی بالغوں کی رائے دہندگی کا حق دے کر آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب سے سلجھائی جائے۔ اگر یہ سچی ڈیش بھگتی، جمہوریت نوازی اور قوم پرستی نہیں ہے۔ تو میں حیران ہوں کہ پھر اور کیا ہے؟

سوال ——— پاکستان محض مسٹر جناح کی ہٹ سے بنا۔

سکی حوصلہ افزائی برطانوی سامراج نے کی۔ اب جبکہ انگریز جا چکا ہے کسی صورت بھی کشمیر کو پاکستان کے ساتھ ناطہ جوڑنے کی اجازت نہیں دینی چاہیئے۔ کیونکہ یہ خطہ ہندوستان کا جزو لاینفک ہے میرا خیال ہے کہ اگر کشمیر ہندوستان سے کٹ گیا اور پاکستان کے ساتھ مل گیا تو اس کے لئے بہت نقصان دہ ہوگا۔

جواب ——— آپ نے تقسیم ہند کے اسباب کا جو جائزہ لیا ہے۔ وہ غلط ہے۔ آپ کے اس دعویٰ کی بنیاد عام ہندوؤں اور گاندھی بھگت قوم پرستوں کا وہ نقطۂ نظر ہے۔ جس کو کانگریسی پریس اور راہنماؤں نے سختی سے اپنا رکھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کانگرس اور مسلم لیگ دونوں تقسیم کے ذمہ دار ہیں۔ اگر کانگرس کے کرتا دھرتا دوسرے فرقوں کے حقوق کی حفاظت کے دعووں کا عملی ثبوت دیتے اور کسی قسم کا امتیازی سلوک نہ برتا جاتا تو تقسیم کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ ہندوستان بھر میں کانگرس کی گدی گاندھی جی کے قبضہ میں تھی۔ یہ تنظیم "ہندو جاگرتی" کے رنگ میں رنگ گئی۔ لڑائی تو انگریز کے خلاف لڑی جا رہی تھی۔ لیکن مہاتما جی کا نعرۂ جنگ یہ تھا کہ "وید کے زمانے کی طرف لوٹ چلو"۔ بلاشبہ پس ماندہ اور مذہب زدہ ہندو عوام میں اس نعرے نے جذباتی بیداری پیدا کر دی۔ لیکن یہ خطرہ رساں بھی ثابت ہوا کیونکہ تمام غیر ہندو لوگ خاص کر مسلمان سخت متنفر ہو گئے۔ وہ یہ خطرہ محسوس کرنے میں حق بجانب تھے۔ کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد اگر کانگرس برسر اقتدار آ گئی۔ تو ان کے دین اور ان کی تہذیب کو نقصان پہنچے گا۔ وہ اس نازک وقت کسی پچھے راہنما کی تلاش میں تھے۔ جو۔ ان کو قائد اعظم کی شخصیت میں

مل گیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کی اس دبی دبی سی خواہش کو دو قومی نظریئے کی صورت میں نمایاں کر دیا۔

گاندھی ازم اگر ترقی پسند اصول پر قائم رہتا۔ تو اس کا تانا بانا اس برعظیم کے تمام فرقوں کے اتحاد اور جذبۂ قوم پرستی سے تیار ہوتا۔ اور اس پر ہندو تہذیب کے اجیار کا رنگ نہ چڑھایا جاتا۔ تو مسلمان کبھی قائد اعظم کے دو قومی نظریہ کے قریب نہ جاتے۔ قائد اعظم کے الفاظ نے کروڑوں مسلمانوں پر جو جادو کا سا اثر کیا۔ اس بات کا کیا یقین ثبوت نہیں ہے کہ جو کچھ وہ کہتے تھے اس میں سچائی پائی جاتی تھی؟ یہ کہہ دینا بالکل نادانی ہے کہ کروڑوں مسلمانوں نے جن میں بڑے بڑے دانشور بھی تھے۔ مسٹر جناح کی پیروی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ انگریز کے اشارے پر کی۔ اگست ۱۹۴۶ء تک مسٹر جناح کے پاس کوئی حاکمانہ اقتدار نہ تھا۔ حتیٰ کہ ان کی سیاسی آلۂ کار جماعت مسلم لیگ بھی تنظیمی لحاظ سے کانگرس کے مقابلہ میں بہت کمزور تھی۔ اپنے نظریات کی نشر و اشاعت کے لئے ان کے پاس کوئی پریس بھی نہ تھا۔ پھر بھی وہ گاندھی ازم کے خلاف تمام منتشر قوتوں کو جمع کر کے صف آرا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اگر کانگرس جیسی بااثر جماعت میں کوئی بنیادی نقص نہ ہوتا۔ تو مسلمان اس کو چھوڑ کر کیونکر میں کیوں شامل ہوتے۔ واقعی اس تنظیم میں بنیادی نقص تھا۔ اور وہ صرف ایک فراخ دل انسان ہی کو نظر آ سکتا ہے۔ وہ نقص یہ تھا کہ گاندھی ازم کی اساس ترقی پسندانہ قوم پرستی پر نہیں تھی۔ نہ ہی وہ فرقہ واریت سے بالاتر تھا۔ یہ تو ایک تنگ نظر ہندو

فرقہ پرستی ہے۔ جس نے ہندوستانی قومیت کا سوانگ رچایا ہوا تھا افسوس تو اس بات کا ہے کہ کانگرس کے پراپیگنڈا کا فریب کھاتے ہوئے ہندو اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکے۔ جوں جوں مسٹر جناح اور مسلم لیگ مقبول ہوتی گئی۔ ہندو اپنی فرقہ پرستی کو گاندھی نیشنل ازم میں چھپا کر مسلمانوں پر فرقہ پرستی کا الزام دھر کر انہیں برا بھلا کہتے رہے۔ ایک دوسرے کے خلاف اس سم بازی نے دونوں قوموں میں ناچاقی کی خلیج وسیع کر دی۔ اور پاکستان بن کر رہا۔ کانگرسی راہنماؤں نے تقسیم کو اس لئے نہیں مانا کہ انگریز کا دباؤ تھا بلکہ گاندھی جی کے اس فلسفہ کا قدرتی رد عمل تھا۔ جس پر وہ کاربند چلے آ رہے تھے۔ مسٹر جناح کے نظریہ جداگانہ قومیت کے پیش کرنے سے کئی برس پہلے سے ہندو خود دھیرے دھیرے اسی نصب العین (ہندو فرقہ پرستی) کو اپنا چکے تھے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ لارڈ ماونٹ بیٹن جو تقسیم ہند کے ذمے کا رسوائے عالم فنکار بھی ہے۔ کانگرسی راہنماؤں کی رائے میں اب تک ہندوستان کا سچا دوست سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ تشکر اور دوست نوازی کے جذبہ میں سرشار ہو کر ان راہنماؤں نے اس کو گورنر جنرل ایسے عہدہ کے سنگھاسن پر بھی بٹھایا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ تقسیم کو انگریزی سامراج کے دباؤ سے مجبور ہو کر کانگرسی مہاپرشوں نے مان لیا تھا۔ کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

جو کچھ برعظیم ہندوستان کے معاملہ میں بیت چکا ہے۔ وہی کچھ جلد یا بدیر کشمیر کے معاملہ میں بھی کانگرسی راہنماؤں کو دیکھنا ہے۔ ان کو نظر آنے لگا۔ کہ ان کی ساری تگ و دو کے باوجود ریاستی مسلمان ہندوستان

کے ساتھ الحاق کے سخت مخالف ہیں۔ ان کے لئے پاکستان میں قدرتی کشش ہے۔ اس کی کئی ایک وجوہ ہیں۔ خاص کر قدرتی یگانگت اور مذہبی رشتہ نے ان کو پاکستانی عوام کے بالکل قریب کر رکھا ہے۔ یہی اسباب کانگرسی لیڈروں کو مجبور کریں گے۔ کہ وہ ریاست کشمیر سے دست بردار ہو جائیں۔ تقسیم سے پہلے کشمیر واقعی ہندوستان کا ایک حصہ تھا۔ لیکن اب دونوں کا ناطہ مخدوش اور ناپائدار ثابت ہو گا۔ خطہ کشمیر پاکستان کا ایک قدرتی جزو ہے اس کو ہر صورت میں پاکستان کے ساتھ رہنا چاہیئے۔ آپ کا یہ کہنا کہ ہندوستان سے الگ ہو کر پاکستان میں شامل ہو جانے سے کشمیر تباہ ہو جائے گا ایک خوش فہمی سے زیادہ نہیں ہے۔ جس میں آپ کو نام نہاد قوم پرستی کی پہیلی نے مبتلا کر رکھا ہے۔ ورنہ حقیقت کچھ اور ہی ہے۔

سوال ——— مہاتما گاندھی کی تعلیمات ہمہ گیر تھیں۔ انہوں نے تمام قوموں اور طبقوں کی آزادی۔ ترقی اور آسودگی کے لئے جنگ کی۔ ان کے مقابلہ میں جناح صاحب ایک فرقہ پرست اور تنگ خیال لیڈر تھے ان ہر دو میں کوئی وجہ مشترک نظر نہیں آتی۔ اگر مسلمان مذہبی دیوانے نہ ہوتے اور ان میں وطن کی محبت کا تھوڑا سا بھی جذبہ ہوتا تو وہ ضرور مہاتما جی کی قیادت قبول کرتے۔ مسٹر جناح کی غلط راہنمائی نے ان کو ایسی راہ پر لگایا جس نے یہ ساری تباہی مچائی۔ ہزاروں انسان مارے گئے۔ لاکھوں بے خانماں ہو گئے۔ کیا ایسے حالات میں کشمیری مسلمانوں کو مسٹر جناح کی بنائی ہوئی راہ چھوڑ کر گاندھی مت۔ ایسا شاندار اور ہمہ گیر عقیدہ اختیار نہ کرنا چاہیئے؟

جواب ——— آپ نے گاندھی فلسفہ اور قائد اعظم محمد علی جناح کے نظریہ کے متعلق جو کچھ خیال آرائی کی ہے یہ ایک معمولی درجہ کے نیشنلسٹ کا سطحی جائزہ ہے۔ لیکن ایسے مشاہدات نکتہ رس اور سمجھدار لوگوں کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ اگر ہم دونوں راہنماؤں کے سیاسی نظریات کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ دونوں کا پس منظر ایک جیسا ہے۔ اگر کوئی اختلاف ہے تو وہ یہ ہے کہ ایک ہندوؤں کا لیڈر ہے اور دوسرا مسلمانوں کا۔ اس لئے دونوں نے اپنے واسطے الگ الگ راہ عمل اختیار کی۔ لیکن بنیادی طور پر وہ ایک ہی مقصد کے لئے لڑ رہے تھے۔

گاندھی جی کی سیاسی تعلیمات ہمہ گیر ہیں یا کہ نہیں اس سے قطع نظر یہ صرف ایک تڑپ ہی تھی۔ جو مہاتما جی ہندو جاتی کی آبادی کے لئے اپنے سینے میں دبی رکھتے تھے۔ یہ ایک رجعت پسندانہ قوم پرستی تھی۔ جس کی آبیاری ویدوں اور پرانوں کے پرانے عہد سے کی جا رہی تھی۔ بھلا ایک غیر ہندو کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ گاندھی جی کی وقت بے وقت بیاں بازیوں کے باوجود یہ کانگرسی نیشنل ازم عملی لحاظ سے سب کے لئے تنگ تھا۔ اس کی بنیاد تنگ دلی۔ جبر اور غیر ہندوستانی نسلوں کے ساتھ نفرت پر رکھی گئی تھی۔ اس ماحول میں مسلمان بھی صرف اس لئے بدیشی قرار دیئے گئے۔ کہ ان کا مذہب و تمدن ہندوستانی نہ تھا۔ بلکہ عرب سے آیا تھا — یہ نقطۂ نگاہ ہندوؤں کے ذہن میں کافی پکا ہوتا گیا۔ اور آخرکار جناح ازم کا ظہور اس کا ردِ عمل تھا۔ جس طریقے اور جن اصولوں پر گاندھی جی نے ہندوؤں کو ابھارا تھا۔

اسی طریقہ اور انہی بنیادوں پر قائدِ اعظم نے مسلمانوں کو ابھارا۔ انہوں نے بھی اسلامی دورِ ماضی کی شاندار تاریخ کا حوالہ دے کر عوام میں قدامت پرستی اور سخت گیری کے رجحانات کو گرمایا۔ فرق یہ تھا کہ جناح صاحب زیادہ باتیں نہیں کرتے تھے۔ نہ ہی انہوں نے کبھی اپنے آفاقی ہونے کا عالم فریب دعویٰ کیا۔ وہ اگرچہ کم گو تھے۔ مگر بے باک۔ باون تولے پاؤ رتی کی کھری کھری کہتے بھی تھے۔ اور اس پر سختی سے عمل بھی کراتے تھے۔ غرض وہ ایک ہشیار سیاست دان تھے۔

جناح ازم اور گاندھی ازم دونوں قدامت پسند اور رجعت پرست عقیدے ہیں۔ دونوں اونچے طبقہ اور لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ دونوں نچلی سماج کے جاہل عوام میں پھل پھول سکتے ہیں ہر دو عقلی کم اور جذباتی زیادہ ہیں۔ جب تک برِ عظیم ہندوستان کے لوگ جاہل۔ تنگ نظر اور توہم پرست ہیں۔ جب تک ان میں ابھرنے کی صلاحیت مفقود ہے۔ یہ دونوں سیاسی نظریئے ان میں کافی پنپ سکتے ہیں۔

صرف وہی لوگ جن کی نگاہیں دور بین نہیں ہیں خیال کر سکتے ہیں۔ کہ قائد اعظم محمد علی جناح اور مہاتما گاندھی بنیادی طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ اگر اکھل بھارتی اور سرمایہ دار ہندو حرص و طمع کے باعث اندھے نہ ہو گئے ہوتے۔ اور ان کے دل میں مسلمانوں کے مفاد کے تحفظ کا جذبہ اور ان کے عقائد کا احترام ہوتا۔ تو سارے ہندوستان میں قائد اعظم اور مہاتما جی ہی وہ مایہ ناز ہستیاں

تھیں جو ایک دوسرے کے مخالف رخ چلنے کی بجائے متحد اور متفق ہو جاتیں اور آج ایک نیا ہندوستان جنم لیتا۔

سوال ——— آپ کی باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ آپ گاندھی ازم کو بھی رد کرتے ہیں۔ حالانکہ اس نے فرقہ پرستی سے پاک رہ کر متحدہ قومیت کا درس دیا ہے۔ اور موجودہ جمہوریہ ہند انہی رہنما اصولوں پر ایک لادینی حکومت کی حیثیت سے قائم کی گئی ہے۔ آپ جناح ازم سے بھی متفق نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہ فرقہ پرستی پر قائم ہے آزادی کے بلند آدرش کی خاطر آپ کا فرقہ پرستی کو اچھا نہ سمجھنا قابلِ تعریف ہے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ پھر آپ کا سیاسی موقف کیا ہے۔ جبکہ گاندھی ازم ایسی غیر فرقہ دار تحریک کے بھی آپ قائل نہیں ہیں کیا آپ اس کو کھول کر بیان کریں گے؟ اس کے ساتھ ہی حُبِ وطنی اور قومیت کے بارہ میں آپ کا جو نظریہ ہے وہ بھی سمجھا دیجئے۔

جواب ——— مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ محسوس ہوتا ہے کہ گاندھی ازم جو کچھ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ دراصل وہ نہیں ہے اس کے دو بڑے سبب ہیں۔ پہلا گاندھی ازم کا مقصود صرف پراچین برہمنی تہذیب کو دوبارہ زندہ کرنا ہے۔ یہ ایک طرح کی تنگ خیالی ہے۔ اور سراسر ما فوق الفطرت عقائد اور ویدانت پر مبنی ہے۔ پس گاندھی ازم نے اپنے لمبے چوڑے دعووں کے باوجود دوسرے فرقے کے لوگوں کی ساری ہمدردیاں کھو دیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جتنے گاندھی بھگت ہیں۔ وہ سب عمل کے اعتبار سے

منافق ہیں۔ کانگرسی راہنماؤں کے بیانات اور قراردادیں اکثر دل کش انداز میں پیش کی جاتی ہیں۔ اور آپ عموماً مبہوت ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو کچھ ان پر عمل ہوتا ہے اسے آپ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ گاندھی ازم نے جب بھی ملک کے سیاسی۔ سماجی اور آرتھک معاملات کو ہاتھ میں لیا۔ اس میں سماجیوں کی سی روش اختیار کی۔ اور صرف ہندو کا ہی فائدہ سوچا تاکہ صرف یہی فرقہ زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کر سکے۔ اس لحاظ سے یہ جناح صاحب کی فرقہ پرستی سے کسی طرح کم نہیں۔ بلکہ کئی لحاظ سے اس سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ یہ اپنے ماننے والوں میں منافقت اور احساسِ برتری کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ ایک عام ہندو باوجودیکہ وہ عملی طور پر بدترین قسم کا متعصب۔ رجعت پسند اور نسلی برتری کا قائل ہوتا ہے۔ اس زعم میں گرفتار رہتا ہے کہ وہ محض اس لئے مہاپرش ہے کہ وہ گاندھی جی کی انسانیت پرور تعلیم کا ماننے والا ہے۔

انسانی ترقی اور آسودگی کا تقاضا ہے کہ گاندھی ازم اور جناح ازم دونوں سے کنارہ کشی کی جائے۔ کیونکہ یہ ہر دو سخت نقصان دہ ہیں۔ یہ انسانی آزادی کی منزل کی طرف راہنمائی نہیں کر سکتے۔ ہمیں لازماً غیر مذہبی سیاست کی بنیادوں پر ایک ایسا نظام تیار کرنا پڑے گا۔ جو سرتاپا معقولیت پسند۔ مستحکم۔ غیر جذباتی اور انسانیت پرور ہو۔ اس کا حصول گاندھی بھگتوں کے کھوکھلے دعووں سے ناممکن ہے۔ ہمیں پہلے اپنے قول اور فعل میں مطابقت پیدا کرنی چاہیئے۔ جس اصول پر ہم روزمرہ آسانی سے عمل نہیں کر سکتے اس کا

پرچار بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ کہنا فضول ہے کہ تصورات شرمندۂ عمل نہیں ہوتے۔ اگر ایسا ہو تو یہ تصورات ہی نہیں ہیں۔ لیکن معقول تصورات انسانی عمل کی پہنچ سے باہر نہیں ہوتے۔ صرف غیر عقلی تصورات انسان کی عملی زندگی میں نہیں لائے جا سکتے۔ گاندھی ازم ایک طرف تو رام راجیہ اور قدیم برہمنی تہذیب کے وچار کا خواب دیکھتا تھا۔ دوسری طرف ہندو اور مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے اکٹھا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ باتیں متضاد اور غیر عقلی تھیں لہٰذا گاندھی ازم ناکام ہوا۔

اس وقت تک ہند اور پاکستان میں ترقی اور آسودگی محال ہے جب تک یہ دونوں ملک فرقہ وار رجعت پسندانہ رجحانات اور پرانی تہذیب کو زندہ کرنے کی روش کو ترک نہیں کرتے۔ یہ پالیسی پاکستان کی طرح کھلم کھلا ہو۔ یا ہندوستان کی طرح نت نئے اعلانات کے بھروپ میں ہو ہمیں ہر حال میں اپنی ناؤ کو تنگ خیالی۔ نسلی عصبیت۔ مذہبی جنون اور قومی غرور کے ان خطرناک کنکروں اور پتھروں سے بچ کر کھیتا چاہیئے۔ غیر مذہبی نظامِ حکومت سب سے اچھا نظام ہے۔ بشرطیکہ مذہبی پاسداری سے مبرا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نظام میں مذہب کو کچل کر رکھ دیا جائے۔ بلکہ ہر فرد بشر کو اپنے مذہب۔ پنتھ اور دھرم پر چلنے کی پوری آزادی ہونی چاہیئے صرف حکومت کو براہ راست یا بالواسطہ کسی مذہب کی بھی پاسداری نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ بات نہ تو جناح ازم میں ہے اور نہ ہی گاندھی ازم میں۔ ہندوستان کی حکومت پراچین تہذیب اور قدیم ہندوستانی تمدن کی حفاظت

کے پردوں میں ہندو دھرم کی حمایت کر رہی ہے۔ مثلاً گاؤکشی رفتہ رفتہ ممنوع قرار دی جا رہی ہے۔ مشہور پرانے مندروں کو دوبارہ زندہ کیا جا رہا ہے۔ ہندی اور سنسکرت بطور زبان لوگوں پر ٹھونسی جا رہی ہے۔ اسی طرح پاکستان کے راہنما جن میں موجودہ حکومت کے وزراء بھی شامل ہیں۔ اعلانیہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ اور اس کی حکومت شریعتِ اسلامیہ کے مطابق چلائی جائے گی۔ ایسی صورت میں دونوں حکومتیں عوام کی صحیح آزادی کے موافق نہیں ہیں۔

قوم پرستی اور دیش بھگتی اچھے مقاصد ہیں۔ بشرطیکہ حدِ اعتدال سے باہر نہ ہوں۔ ایک شخص دھرتی کے ایک خاص خطہ میں جنم لیتا ہے۔ قدرتی طور پر اسے اس خطے کے دوسرے باشندوں۔ اس کے پرندوں۔ حیوانوں۔ پہاڑوں۔ دریاؤں اور جنگلوں سے نسبتاً زیادہ انس ہوگا۔ اس کا انسان دوستی کا ہمہ گیر جذبہ اپنے ہم وطنوں کی خدمت اور سیوا کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ اس حد تک حبِ وطنی اور قوم پرستی واقعی لائق ستائش اوصاف ہیں۔ لیکن عموماً دیکھا گیا ہے کہ ان کا غلط مفہوم لینے سے یہی انسانی اوصاف نفرت انگیز برائیاں بن جاتے ہیں۔ آجکل کی قوم پرستی اور دیش بھگتی کا یہ مطلب ہے کہ دوسری تمام غیر قوموں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور اپنی قومیت تب ہی زندہ رہ سکتی ہے۔ کہ دوسروں کو ان کے جائز حق آزادی سے محروم کر کے ہمیشہ کے لئے غلام بنا لیا جائے۔ چنانچہ اسی قوم پرستی اور وطن دوستی کا یہ نعرہ ہے کہ "میرا وطن ہر حال میں سب سے اچھا ہے"۔

اس طرح عدل۔ مساوات اور حق پسندی کی تھوڑی بہت رمق بھی ان قوم پرستوں اور دیش بھگتوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس نظام میں یہ عقیدہ ایک بیماری بن جاتا ہے۔ آدمیت سے پیار رکھنے والوں کو اس سے بچ کر رہنا چاہیئے ہمیں چاہیئے کہ اپنے غلط کار حکمرانوں کو جرأت مندی سے ٹوکیں۔ اور منہ پر کہہ دیں۔ کہ جناب من! آپ نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ اور یہ ٹھوکر خطرناک ہو گی ہمیں ایسے ملک کی مدد کے لئے بے پروا ہو کر میدان میں کود پڑنا چاہیئے۔ جس کو ایسے دیش بھگتوں اور قوم پرستوں نے اپنی حرص کا ہدف بنایا ہوا ہو۔

کوئی بھی تنگ نظر قوم پرست اور محبّ وطن اپنے ملک کو بھی آزادی نہیں دلا سکتا۔ وہ جو دوسروں کا حق ہڑپ کرنے کی ہوس میں ہوں۔ کبھی آزاد نہیں ہو سکتے۔ صرف وہی لوگ جو آزادی وطن کا مطلب ساری انسانیت کی آزادی سمجھتے ہوں۔ اور اس پر عمل بھی کرتے ہوں۔ ہمیں آزاد کرنے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ ہمیں دیانت داری اور بے لوث جذبۂ خدمت سے جدوجہد کر کے ایسی قومیت کو کشمیر میں جنم دینا ہو گا۔ جو کل انسانیت کی آزادی کی ضامن ہو سکے۔

سوال ——— آپ جانتے ہیں کہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں قبائلیوں نے کشمیر پر حملہ کیا۔ لوگوں کو لوٹا اور مارا۔ عورتوں کی آبرو ریزی کی۔ اس ساری تاخت و تاراج میں پاکستان کا ہاتھ تھا۔ مہاراجہ نے صرف مجبور ہو کر ہندوستان سے مدد مانگی۔ کشمیری عوام کے صحیح نمائندوں نے (جو نیشنلسٹ ہیں) بھی اس کی تائید کی۔ ہندوستان نے اپنی فوجیں

بھیج کر ہمیں اس غارت گری سے بچا لیا۔ اس طرح اس نے انسانیت کا احترام کر کے اپنی اخلاقی سربلندی کا ثبوت دیا۔ اس کے برعکس پاکستان نے قبائلیوں کی نہ صرف اخلاقی حمایت کی بلکہ عملی طور پر ان کی کمک کے لئے اپنی فوجیں بھیجیں۔ ہم ہندوستان کی مروّت اور پاکستان کی دشمنی کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔ سمجھدار لوگوں کی نگاہوں میں ہندوستان کا اخلاقی موقف بہت اونچا ہے۔

جواب ——— پیشتر اس کے کہ ہم کسی پر یک طرفہ فرد جرم عائد کریں۔ یہ بات معلوم کریں کہ حملہ آور کون ہے ضروری ہے۔ کہ ہم اکتوبر ۱۹۴۷ء کی قبائلی مداخلت سے پہلے اور بعد کے حقائق کا جائزہ لیں۔ بھارت کے اکثر لوگ ایسا نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ غلط رائے قائم کرنے کی ٹھوکر کھاتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ ہندوستان جون ۱۹۴۷ء میں ماؤنٹ بیٹن تجویز کے مطابق مذہبی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا تھا۔ اس تجویز میں کشمیر کا مستقبل بالکل واضح تھا۔ اس کے لئے سوائے پاکستان کے ساتھ الحاق کے کوئی اور چارہ نہ تھا۔ لیکن فوراً بعد کانگرسی راہنماؤں نے نتائج سے آنکھیں بند کر کے مہاراجہ کو مسلم اکثریت کی خواہش کے خلاف ہندویونین سے ناطہ جوڑنے کے لئے اکسانا شروع کیا۔ اس سال مہاتما گاندھی اگست کے پہلے ہفتہ میں کشمیر آئے۔ اور مہاراجہ کے ساتھ بات پکی کر گئے جیل میں نیشنلسٹ اراکین سے بھی بات چیت ہوئی۔ وہ بھی اس شر انگیز اور تباہ کن منصوبہ

کو مان گئے۔

مہاراجہ سے کہا گیا کہ وہ غیر جانبداری کا سوانگ رچائے رکھے۔ لیکن راج دربار کی پالیسی نے چلی کھائی۔ کہ ہوا کا رخ کدھر ہے۔ عین اس موقع پر نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس دونوں جماعتوں کے لیڈر جیلوں میں تھے۔ اوّل الذکر پر بغاوت کا الزام تھا۔ اور مؤخرالذکر صرف ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی پاداش میں نظر بند تھے۔ نیشنلسٹ لیڈر کافی لمبی میعاد کے لئے سزا یافتہ قیدی ہونے کے باوجود اچانک رہا کر دیئے گئے۔ لیکن مسلم کانفرنس کے کارکن جو محض نظر بند تھے۔ دانستہ آہنی سلاخوں کے پیچھے رکھے گئے۔ وہ تمام اخبارات جنہوں نے الحاق پاکستان کے لئے زور دیا اور ہندو نین کے ساتھ ناطے کی مخالفت کی یا تو بالکل بند کر دیئے گئے یا قانونی شکنجے میں جکڑ دیئے گئے۔ دوسری سیاسی جماعتوں کے راہنماؤں کی زبان بندی ہوئی۔ کئی ایک قید کر دیئے گئے۔ بہت سے جلاوطن ہوئے صرف نیشنلسٹ لیڈر ہی مزے میں تھے۔ یہ کھلم کھلا میٹنگیں کر سکتے تھے۔ اور جلسے جلوس نکال سکتے تھے۔ اسی دوران میں پونچھ کے نہتے لوگوں پر ڈوگرہ فوجوں نے گولیاں برسائیں۔ اور کئی گاؤں جلا دیئے یہ سارا واقعہ اگست۔ ستمبر۔ اور اکتوبر میں رونما ہوا۔ مہاراجہ کو ساری صورت حال سے کئی بار خبردار کیا گیا۔ لیکن یہ بے سود ثابت ہوا۔ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قبائلی مجبور ہو کر اپنے کشمیری مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے آ گئے۔ یہ بالکل خستہ اور شکستہ حالت میں تھے۔ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ان کو حملہ آور کیسے کہا جا سکتا ہے۔ میں کسی قبائلی کی وحشیانہ لوٹ کھسوٹ کے انفرادی فعل کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ لیکن ہمیں معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ اس اجتماعی حیثیت میں اس یلغار میں کون سا جذبہ کارفرما تھا۔ وہ صاف عیاں ہے۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ کشمیری عوام کو مہاراجہ کے مظالم اور ہتھ چھٹ نیشنلسٹ کارکنوں کی لوٹ مار سے چھڑایا جائے۔ ہمیں اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ہندوستانی فوجوں نے کچھ کم غارت گری اور عورتوں کی آبروریزی نہیں کی۔

اس صورت میں جبکہ ہندوستان فرقہ وار لحاظ سے تقسیم ہو چکا تھا کانگرسی لیڈروں کا کوئی حق اخلاقی نہ تھا۔ کہ وہ کشمیر پر چڑھ دوڑیں خصوصاً اس حالت میں جبکہ انہوں نے نواب جوناگڑھ کے اعلان الحاق پاکستان کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ لہٰذا پنڈت جواہر لال نہرو کی نئی نئی تاویلوں کے باوجود بھارت کا کشمیر پر قبضہ جمائے رکھنا آئینی اور جمہوری لحاظ سے صریحاً ناجائز ہے۔ یہ افسوسناک واقعہ ہمیشہ تاریخ ہند کے دامن پر ایک بدنما دھبہ بن کر رہے گا۔

سوال ——— تو پھر کشمیر کی گتھی پرامن اور دوستانہ طریقے پر سلجھانے میں آپ کون سا طریقہ کار تجویز کر سکتے ہیں؟

جواب ——— سنیئے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یہ مسئلہ ہر بالغ کو رائے دہندگی کا حق دے کر آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے سے حل کیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر ضروری ہوگا کہ تمام

غیر کشمیری فوجیں خواہ باقاعدہ ہوں یا بے قاعدہ۔ پاکستان کی ہوں۔ یا ہندوستان کی ریاست سے نکل جانی چاہئیں۔ ریاست کا تمام نظم و نسق نیک نام اور غیر جانبدار ہاتھوں میں سونپا جائے۔ تمام سیاسی پارٹیوں کو پبلک کے سامنے اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کی سہولت ملنی چاہیئے۔ کسی غیر ریاستی فرد یا جماعت کو ریاست میں داخل ہو کر کسی قسم کے سیاسی پراپیگنڈے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد عوام جو بھی فیصلہ کریں۔ متعلقہ لوگوں کو اس کے سامنے جھکنا ہوگا۔

سوال ——— کیا آپ اس امر سے بے خبر ہیں کہ کشمیری مسلمان مسلم کانفرنس کے مذہبی نعرہ کی رَو میں بہہ سکتے ہیں۔ ہمارے ملک کے مسلمان عوام تعلیمی اور ذہنی تربیت کے لحاظ سے بہت پس ماندہ ہیں۔ ان میں صحیح ترقی و آزادی کی قدر و قیمت پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہے مجھے ڈر ہے۔ کہ یہ معاملہ کی اہمیت کے احساس سے اپنا ووٹ استعمال نہیں کریں گے۔ بلکہ اپنے ہم مذہب اور پاکستانی خیال کے لوگوں کی جذباتی اپیل سے متاثر ہو کر کریں گے۔ میں آپ سے اس بات میں متفق ہوں کہ بہت تھوڑے ایسے مسلمان ہوں گے۔ جو ہندوستان کو اپنا ووٹ دیں گے لیکن پھر بھی میں کہوں گا کہ ہندوستان کے حق میں ووٹ دینا ان کے قومی مفاد کا ضامن ہوگا۔ ہندوستان ایک جمہوری۔ غیر مذہبی اور ترقی خواہ نظام حکومت ہے۔ کانگرس کے لیڈر بارہا اس کا اعلان کر چکے ہیں۔ ہمارا دستور و آئین ان اعلانات کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔ اس نظام حکومت میں ذات پات۔ رنگ و نسل اور عقیدے کے تمام امتیازات کو مٹا دیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں مسلم لیگی لیڈر ہر گھڑی یہ اعلان کرتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کے اصولوں پر پاکستان ایک مذہبی نظام حکومت ہوگا۔ یہ تو سراسر نفرت انگیز اور رجعت پسندانہ اقدام ہے۔ گویا یہ ۱۹۵۰ء ایسے دورِ جدید میں کٹر ملائیت قائم کی جا رہی ہے۔ ایک جمہوریت پرست اس قسم کے نظام حکومت کے ساتھ کس طرح وابستگی کا حامی ہو سکتا ہے۔ ایک غیر مسلم خاص کر ہندو ایسے ماحول میں رہنے کو کبھی تیار نہیں۔ مسلمانوں کو حق خود ارادیت دینا اچھی بات ہے۔ لیکن جب ہم جانتے ہیں کہ وہ مذہبی جنون کے اثر میں آ کر غلط فیصلہ کریں گے۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ان کو نیک و بد سمجھا کر سیدھی راہ پر لایا جائے۔

جواب ——— اب آپ نے بہت کمزور موقف کا سہارا لینا شروع کر دیا ہے۔ آپ کو یہ حق پہنچتا ہی کس طرح ہے کہ آپ خواہ مخواہ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف ان کی بہتری کی ذمہ داری سنبھالتے پھریں یہ تو کسی کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا ہے۔ آپ کو بتلا دیا گیا ہے کہ تجویز شدہ استصواب رائے عامہ کے وقت ہر فرد یا جماعت کی طرح آپ کو اپنے نظریات کے پرچار کا پورا موقعہ ملے گا۔ اگر آپ کا یہی خیال ہے۔ کہ ہندوستان ایک جمہوری۔ آسودہ حال اور ترقی پسند نظام حکومت ہے اور اس کے برعکس پاکستان ایک خالص مذہبی ادارہ کی حیثیت رکھتا ہے تو اس نظریہ کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کر کے کشمیری عوام کے روبرو پیش

کرنے کی آپ کو مکمل اجازت ہوگی۔ پروپیگنڈے کی وہ تمام مراعات جو ہر فریق کو حاصل ہوں گی۔ آپ بھی دلائل سے قائل کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بے دلیل اور جمہوریت کش مطالبہ ہے۔ کہ کشمیری عوام کو محض اس لئے حق خود ارادیت سے محروم کر دیا جائے۔ کہ ان کا مذہبی اپیل کی رو میں بہہ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ان کو زبردستی ایک ترقی خواہ اور جمہوری حکومت کا غلام بنا دینا چاہیئے۔ ہر جماعت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مطمح نظر اور سیاسی عقیدے کا کھلم کھلا پرچار کرے باقی رہا اپنے مستقبل کا فیصلہ تو وہ صرف کشمیری عوام ہی کر سکتے ہیں۔ خواہ یہ فیصلہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ہے جمہوریت کے بنیادی اصول کا صحیح مدعا۔ جن پر میں آج تک قائم ہوں۔

آپ کے سوال کا پورا جواب دینے سے پہلے دو چیزوں کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ وادی کشمیر میں آج کل ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ کہ وہاں اس وقت کوئی جماعت پاکستان کی حمایت میں پراپیگنڈہ نہیں کر سکتی اس کے برعکس ہندوستان کے حامی نیشنلسٹوں کو کھلی چھٹی ملی ہے پچھلے تین سالوں سے وہ اپنے خیالات کا علانیہ پرچار کر رہے ہیں۔ حکومت کا سارا نظم و نسق ان کے قبضہ میں ہے۔ وہ مخالف فریق کی آواز کو جبر سے دبائے ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ کی یہ ساری مشینری شاید استصواب۔ رائے عامہ تک ان کے ہی ہاتھ میں رہے۔ لہٰذا آپ کو یقین کرنا چاہیئے کہ اس وقت پاکستان چاہنے والوں کے خلاف تمام دشمن عناصر کا پلڑا بھاری ہے۔

دوئم آپ کا یہ کہنا کہ کشمیری عوام ذہنی اور تعلیمی اعتبار سے بہت پیچھے

ہیں۔ بالکل بے معنی اور غلط سی بات ہے۔ یہ نظریہ کانگرسی منطق و فلسفہ کے بھی خلاف ہے۔ ذرا سوچیں تو سہی کہ آج سے تین برس پہلے یعنی آزادی کے اعلان کے وقت اگر ہندوستانیوں کو یہ کہا جاتا کہ آپ ابھی آزادی کے اہل نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ کی اکثریت جاہل اور پس ماندہ ہے۔ لہٰذا ابھی آپ کو انگریزی سامراج کی سرداری میں رہنا چاہیئے تو کیا کوئی غیرت مند قوم پرست یہ دلیل ماننے کو تیار ہو سکتا تھا؟ اس کا جواب دیانت داری کا تقاضا ہے کہ نفی میں ہوگا۔ پس اس روشنی کے زمانے میں کوئی بھی عقلمند شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں ملک کو آزادی نہ دی جائے۔ کیونکہ وہاں کے لوگ ان پڑھ اور پسماندہ ہیں۔ آزادی تو ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت کسی غدر کی آڑ لے کر یہ حق چھین نہیں سکتی۔ ویسے بھی ایک عام کشمیری سیاسی تربیت اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے ایک عام ہندوستانی سے زیادہ بیدار مغز واقع ہوا ہے۔ اور اچھے برے میں پوری تمیز کر سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ میں پاکستان کے حامی کاروں کے مذہبی نعرہ سے خائف نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ بھی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ اگر یہی نعرہ ہندوستان کے ساتھ الحاق میں معاون ثابت ہوا تو کوئی بھی قوم پرست اس کو برا محسوس نہیں کریگا۔ خود کشمیری نیشنلسٹ مسلمان ریاست کے مسلمانوں کو مذہب کے نام پر ابھارتے رہے ہیں۔ مگر کسی نے محض اس لئے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ خوب حوصلہ افزائی کی۔ کہ اس سے گاندھی جی کی قوم پرستی کو تقویت پہنچتی تھی۔ لیکن مذہب کے نام کی اپیل جب ان کے مفاد سے ٹکراتی ہے۔ تو

فرقہ وارانہ جنون اور قابلِ ملامت بن جاتی ہے۔ ؎ ایں چہ بوالعجبی است

اب میں آپ کے دو اہم نکات کا جائزہ لیتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں ایک لادینی حکومت کا نظام قائم ہے۔ اور پاکستان ایک دینی ریاست ہے۔ آپ کا یہ عقیدہ تمام کانگریسی قوم پرستوں کی طرح بڑا راسخ بھی ہے۔ لیکن میں اس چیز کو ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ کہ ہندوستان ایک غیر مذہبی اور جمہوری ریاست ہے۔ میں یہ بھی تسلیم نہیں کرنا چاہتا کہ یہ حکومت روشن خیال بھی ہے۔ ایک عام ہندو کی حالت، واقعی قابلِ رحم ہے کہ کانگریسی پریس اور راہنماؤں نے اپنے مؤثر پراپیگنڈے سے اس کی سوچ بچار اور تمیز کرنے کی قوت کو سلب کر دیا ہے۔ اور یہ بیچارہ اپنے ذہن سے کچھ بھی نہیں سوچ سکتا۔ بہرحال ایک حقیقت پسند انسان کا فرض ہے۔ کہ وہ بڑے بڑے لیڈروں کے بیانات کو جوں کا توں مان لینے کی بجائے ان کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اور بلا پس و پیش کسی بات کو تسلیم کرنے سے پہلے اس کی پوری چھان بین کرے۔ کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں وہ کرکے بھی دکھاتے ہیں یا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہر شخص اس امر میں مجھ سے اتفاق کرے گا۔ کہ ان لوگوں کے قول و فعل میں کوئی مطابقت نہیں ہوتی ہے۔ ان کی تقریریں کھوکھلی اور بے وقت ہوتی ہیں۔ کسی فرد، گروہ، طبقہ، جماعت اور قوم کو اس کے کردار سے پرکھا جاتا ہے۔ زبانی دعوے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔

اس بات کا بھی ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے کہ کانگریس بھی ایسا جمہوری ادارہ

ہے جو بلا امتیاز مذہب و ملت سب کی آزادی کا ضامن ہے اور یہ ہندو مہاسبھا اور راشٹریہ سوئم سنگھ سے بلحاظ عقیدہ ایک مختلف تنظیم ہے۔ لیکن وہ لوگ جو سطح بین نہیں ہوتے بلکہ گہرائی میں اترنے کے عادی ہیں۔ جلدی بھانپ سکتے ہیں کہ کردار و عمل کے لحاظ سے کانگرس اور ہندو مہاسبھا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اپنے اعلانات کے باوجود کانگرس کا مقصد بھی ہندو تہذیب کا احیا ہی ہوتا ہے۔ اور سارے ہیر پھیر کے بعد بات وہیں فرقہ پرستی پر آکر پڑتی ہے۔ اگر کانگرس نیک نیتی اور عزم کے ساتھ متحدہ قومیت کے پرچم کو بلند کئے رکھتی تو پاکستان کبھی نہ بنتا اور ہندوستان آج ایک ہوتا۔ فی الحقیقت مسلم لیگ کو بھی کبھی عروج حاصل نہ ہوتا۔ اور نہ ہی جناح صاحب کا دو قومی نظریہ اتنا جاندار ثابت ہوتا یہ کانگرس کی کارستانیاں ہیں۔ جو گاندھی جی کی قیادت میں بڑھنے اور ہندو فرقہ پرست جماعتوں کی حریف ہونے کے باوجود ایسے ایسے پینترے بدلتی رہی ہے۔ کہ جن کی وجہ سے مہاسبھائی ہندوؤں میں تو یہ کافی ہردلعزیز ہوتی گئی مگر غیر ہندو لوگ آہستہ آہستہ اس سے دور ہٹتے گئے۔ حتیٰ کہ یہ عظیم الشان اور پرشکوہ جمہوری ادارہ ایک فرقہ پرست ٹولی بن کر اپنی ساری انقلابی اور قومی سیرت کھو بیٹھا۔

ذرا سارے ہندوستان پر نظر دوڑایئے اور مشاہدہ کیجئے کہ آزادی کے ان تین سالوں میں اس نے کون سی ارتقائی منزلیں طے کی ہیں۔ سوائے ان متواتر اعلانات کے کہ ہندوستان ایک غیر مذہبی جمہوریت ہے ترقی و عروج کی کوئی نشانی نظر نہیں آئے گی۔ تہذیبی لحاظ سے یہی بڑا کارنامہ ہے

کہ ساری کوششیں قدیم اور رجعت پسندانہ براہمن ازم کو زندہ کرنے کیلئے وقف کی جا رہی ہے۔ غیر ہندو لوگ خاص کر مسلمان ڈرا دھمکا کر مجبور کئے جا رہے ہیں کہ وہ اس براہمنی تمدن کو اختیار کریں۔ ورنہ اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں ہندی جس کو ملک کے تیس فیصدی باشندے بھی لکھ پڑھ نہیں سکتے دیوناگری حروف میں قومی زبان قرار دی گئی ہے۔ حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ اس مردہ زبان کو لاکھوں ہندو بھی نہیں سمجھتے۔ شمالی اور وسطی ہندوستان میں تمام لوگ جن میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ صرف فارسی رسم الخط میں لکھی جانے والی ہندوستانی جانتے ہیں۔ ہندوؤں کے سب سے زیادہ چھپنے والے اخبارات اردو میں ہوتے ہیں۔ اس زندہ اور رسیلی زبان کو محض اس واسطے مٹایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کے دورِ حکومت کی یادگار ہے۔ حالانکہ ہندوؤں نے بھی اس کی ترویج میں پورا حصہ لیا ہے۔ اور ہندو مصنفوں کے ادب عالیہ کے بہترین نمونوں سے اردو زبان مالا مال ہے۔ بہار۔ یوپی۔ راجستھان اور سی پی میں جہاں اردو زبان صدیوں سے پھلتی پھولتی چلی آ رہی تھی اسے ترک کر کے ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اور سکولوں میں ذریعہ تعلیم بھی اس کو قرار دیا گیا ہے۔ صرف اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ کانگرس کے بڑے بڑے لیڈر اور صوبوں کے مہا منتری اور گورنر تک اس کوشش میں ہیں کہ سنسکرت بھارت کی قومی زبان قرار دی جانی چاہیئے کیونکہ یہی براہمن ہندو سبھیتا کی مخزن ہے۔

ٹیگور کا گیت "جانا گانا مانا" اور بنکم چندر کا "بندے ماترم" ہندوستان

کے قومی ترانے کی حیثیت سے لازمی قرار دیئے گئے ہیں۔ ایک عام ہندوستانی کے لئے خواہ وہ ہندو ہے یا مسلمان۔ یہ دونوں ناقابلِ فہم ہیں۔ چونکہ دونوں اول الذکر سنسکرت آمیز بنگالی میں ہے اسنسکرت میں ہیں اس لئے بطور عقیدت ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ کئی سالوں تک ان کے ساتھ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کا مشہور ترانہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" کانگرس پیش کرتی رہی ہے؟ لیکن آزادی ملنے کے بعد اس کو قوم پرستوں کے حلقہ میں گانا ممنوع قرار دیا گیا ہے؟ کیونکہ یہ اردو میں ہے۔ یہ ترانہ "بندے ماترم" اور "جانا گانا مانا" سے زیادہ آسان بھی ہے اور بے حد شیریں۔ رسیلا اور لطافت سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کو خارج کر دیا گیا ہے۔

گاؤکشی کو سارے ہندوستان میں آہستہ آہستہ بند کیا جا رہا ہے آئین ساز اسمبلی نے اس کو صوبوں کے نام "ہدایت نامہ" میں شامل کر لیا ہے۔ تاکہ یہ بالکل ممنوع قرار دی جائے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے نہیں کہ اس سے کوئی اقتصادی بہتری وابستہ ہے۔ نہیں! بلکہ اس لئے کہ ہندو اپنے دھرم شاستر کے مطابق گائے ماتا کو متبرک مانتے ہیں۔ اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ کیا ایک غیر مذہبی جمہوریہ کے یہی مبادیات ہیں؟ جس وقت پنڈت جواہر لعل نہرو نے آزاد ہندوستان کے پردھان منتری کی گدی ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو سنبھالی تو یہ ساری رسم آدھی رات کے وقت ادا کی گئی۔ کیونکہ ہندو جوتشیوں نے مہورت میں یہی وقت نکالا تھا۔ براہمن اس شبھ گھڑی شاستروں میں دی ہوئی تمام رسومات پوری کرنے کے لئے موجود تھے۔ اس کے بعد بھی جب

قدر تقاریب منائی گئیں۔ نہرو جی نے ساری مذہبی رسمیں ساتھ ساتھ پوری کیں۔ دوسرے کانگرسی وزراء نے بھی وہ خواہ مرکز کے تھے یا صوبائی، ہر روحان منتری کی پیروی کی۔ ابھی تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے کہ یکم مئی ۱۹۵۰ء کو یو۔ پی کے چیف منسٹر نے بنارس کی میونسپل گراؤنڈ میں ایک ایسے مندر کی رسم افتتاح فرمائی ہے کہ جس میں مہاتما گاندھی اور کستور با کے مرمریں بت رکھے گئے ہیں یہ "ڈانڈی مارچ" کی یاد کے انداز میں ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ہندوستان کے کئی ایک مقامات پر مہاتما گاندھی کی مورتیاں نصب کی گئی ہیں۔ اور ہر جگہ مذہبی رسوم کو کچھ ایسے انداز کے ساتھ ادا کیا گیا ہے گویا یہ ملک کی سیاسی زندگی کا ایک ضروری حصہ ہیں۔ اور آزادی ملنے کے بعد سرکاری طور سے ان پر عمل کرنا لازمی ہے۔ کیا ہندوستان کے غیر مذہبی ہونے کے یہی عنوان ہیں؟

اکثر کہا جاتا ہے کہ ہندوستان تمام طبقوں یعنی ہندوؤں اور غیر ہندوؤں کے ملاپ سے ایک مشترک قومیت کو جنم دے رہا ہے۔ اور فرقہ پرستی ختم ہو رہی ہے۔ اور اس کو ہندوستان کے غیر مذہبی ہونے کا ثبوت بھی سمجھا جا رہا ہے لیکن حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ عملی طور پر جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ وہ صرف بچائے مسلمان کی آواز کو دبایا جا رہا ہے۔ کیونکہ صرف مسلمان ہی ان کے خیال میں فرقہ پرست ہیں۔ جب ہندو فرقہ پرستی کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو کانگرسی حکومت اور کانگرسی ارکین چپ سادھ لیتے ہیں۔ اور بے بس ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان کی مرکزی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے تعلیمی ادارے جو کسی خاص فرقے کے نام سے منسوب ہوں۔ ہندوستان میں نہیں ہونے

چاہئیں۔ چنانچہ ہندو یونیورسٹی بنارس اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ اپنے نام کے پہلے لفظ "ہندو" اور "مسلم" کو آئندہ ترک کر دیں۔ مسلم یونیورسٹی والے ابھی کوئی فیصلہ کرنے ہی نہ پائے تھے کہ ہندو یونیورسٹی کے چلانے والوں نے جو پکے قوم پرست ہیں اس حکم کی تعمیل سے صاف انکار کر دیا۔ مرکزی حکومت نے ایک قرارداد منظور کی کہ ہندوستان میں کسی فرقہ وارانہ سیاسی جماعت کے وجود کو برداشت نہیں کیا جائیگا اور حکومت ایسی جماعتوں کو ختم کر کے دم لیگی لیکن ہندو مہاسبھا۔ اکالی دل اور شڈول کاسٹ الیسوسی ایشن نے اپنی تنظیموں کو ختم کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ حکومت کو آخر یہ زہر کھانا ہی پڑا۔ ان اس وقت جبکہ احکام کی سیاہی خشک بھی نہ ہوئی تھی۔ تمام صوبوں میں مسلمانوں کی درس گاہیں جبراً بند کر دی گئیں بمبئی بنگال میں اسلامیہ کالج کلکتہ کو سنٹرل کلکتہ کالج بنا دیا گیا۔ لیکن خالص ہندو تعلیمی ادارے مثلاً دیا ساگر کالج جوں کے توں موجود ہیں۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے کیونکہ کانگرس جو کہ معنوی لحاظ سے مہاسبھائی جماعت ہے۔ لیکن قوم پرستی کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ تمام ہندو اداروں سے ایک طرح کا روحانی انس ہے۔ لہٰذا یہ ان کی کبھی بدخواہ نہیں ہو سکتی۔

مومن کانفرنس۔ آزاد مسلم کانفرنس اور جمعیت علمائے ہند ایسی جماعتیں جو کانگرس کی حمایت کرتی ہیں چھوڑ کر باقی تمام غیر ہندو خصوصاً مسلم ادارے جو کہ کانگرس کے مخالف سمجھے جاتے ہیں۔ سخت نفرت اور معاندانہ نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اگر مذہبی اداروں اور سچی قوم پرستی کا یہ مطلب ہے کہ حکومت

اور سیاست مذہبی تعصب سے مبرا ہو تو پھر یہ آج ہندوستان میں ناپید ہے۔

بھارت کے ہندو خواہ وہ کسی خیال کے ہوں۔ عام طور پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ پاکستان ایک مذہبی نظامِ حکومت ہے لہذا اس میں غیر مسلم اقلیت کے ساتھ ایک جیسا سلوک ناممکن ہے۔ اور ہر قسم کے حقوق غیر محفوظ ہیں یہ اعتراض کچھ اس قدر عام ہو چکا ہے کہ بہت سے لوگ اس کو سچ مچ امر واقعہ ہی سمجھ چکے ہیں۔ آیئے ذرا ہم سوجھ بوجھ سے کام لے کر اس معاملہ کی چھان بین کریں۔ تاریخ میں ایک مذہبی حکومت ایسا نظامِ حکومت ہے۔ جس کو مذہبی رہنما خدا کے نمائندہ کی حیثیت سے چلاتے ہیں۔ اگر اس تعریف کو صحیح مان لیا جائے تو کوئی بھی عقلمند انسان بلا سوچے سمجھے پاکستان کو مذہبی نظامِ حکومت نہیں کہہ سکتا۔ اس وقت پاکستان میں عوام کے چنے ہوئے نمائندے حکومت کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ صحیح نمائندے نہیں کہلائے جاسکتے۔ کیونکہ ان کا طرزِ انتخاب غیر جمہوری اور محدود تھا۔ یاد رہے کہ یہی صورتِ حال ہندوستان میں بھی ہے یہ سچ ہے کہ ہندوستان میں نئے آئین کے مطابق رسمی جمہوریت کے پیشِ نظر ہر بالغ کو رائے دہندگی کا حق دے دیا گیا ہے۔ مگر پاکستان بھی نئے آئین کی تشکیل میں مصروف ہے۔ اور پاکستانی لیڈروں کا بیان ہے کہ یہ آئین ہندوستانی آئین سے مختلف نہیں ہوگا۔

جہاں تک اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا تعلق ہے۔ ہم مسٹر لیاقت علی پرائم منسٹر پاکستان کی ایک تقریر کا حوالہ دیتے ہیں:۔

"میں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ ہر پاکستانی بلا امتیاز مذہب

ملت مساوی حقوق اور یکساں مراعات کا پورا حق دار ہے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے اپنی قرارداد مقاصد میں اس کی پوری تشریح کر دی ہے چند غیر مسلم جو کہ پاکستان کے دشمن ہیں یہ کہتے ہیں کہ چونکہ پاکستانی لیڈر پاکستان کو اسلامی مملکت بنانا چاہتے ہیں اس لئے کوئی غیر مسلم اس ملک میں نہیں رہ سکتا۔ اس پراپیگنڈے سے بڑھ کر کوئی گمراہ کن سفید جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنی تقریروں میں بار بار کہا ہے کہ ہم پاکستان کی تعمیر اسلامی مساوات۔ اخوت اور معاشرتی عدل کے اصول پر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ایسے سماجی نظام کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں ہر شخص خواہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم، نہ صرف اپنے حق محنت سے مستفید ہوگا بلکہ اسے اس امر کا بھی اطمینان حاصل ہوگا کہ اس نظام میں اس کے ساتھ ہر حالت میں پورا انصاف کیا جائیگا۔ اس معاشرتی ادارے میں ہر شخص کو ہر قسم کے حقوق مساوی حاصل ہوں گے۔ پاکستان کی اقلیت تمام حقوق اور مراعات کی ایسے ہی مستحق ہوگی جیسے دوسرے پاکستانی طبقے ہیں اقلیتوں کی حفاظت اور ان کی معاشرت کی ترقی و فلاح ہمارا مقدس فرض ہے۔"

پراپیگنڈا اسٹنٹ کہہ کر اس اعلان کو رد کر دیا جا سکتا ہے لیکن ہندوستان کی صورت میں بھی ایسا ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت ہم دونوں حکومتوں کا جائزہ ان کے راہنماؤں کے اعلانات سے ہی لے رہے ہیں۔ ہندو سیاست دان

یہ غلط سوچتے ہیں کہ ہندوستان ایک لادینی ریاست ہے اور پاکستان ایک مذہبی نظامِ حکومت ہے۔ پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کی حرکتیں کی جاتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں پاکستان ایسا ہی مذہبی نظامِ حکومت ہے۔ جیسا کہ ہندوستان ایک غیر مذہبی نظام ہے۔ ایک حکومت اس وقت واقعی مذہبی ہوتی ہے جب اس کی سیاسی باگ ڈور دینی علماء اور راہنماؤں کے ہاتھ میں ہو۔ لیکن یہ صورت نہ ہی پاکستان میں پائی جاتی ہے اور نہ ہی ہندوستان میں۔ ساتھ ہی یہ دونوں حکومتیں غیر مذہبی بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ لادینی اور کلیسائی نظام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جب تک عوام کا تمدنی معیار بے حد بلند نہ کیا جائے تب تک ایک صحیح لادینی نظامِ حکومت قائم کرنا مشکل ہے۔ لیڈروں کے یہ سب تصورات لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے ہیں تاکہ یہ اپنے ووٹروں میں مقبول اور ہر دلعزیز بنے رہیں۔ ہندو اور مسلمان عوام یہی چاہتے ہیں کہ ان کے رہنما کٹر مذہب پرست ثابت ہوں۔ اور تمام مذہبی رسوم خواہ کتنی ہی غیر عقلی اور توہم پرستانہ ہوں ہر لیڈر کو انہیں آنکھیں بند کر کے پورا کرنا چاہیئے۔ جب تک ایک رہنما مخالفت اور غیر مقبولیت کے خوف سے بے نیاز ہو کر غیر مذہبی نظامِ سیاست کو روشناس کرانے کی کوشش نہیں کر سکتا۔ تب تک یہ نظام اپنے صحیح خدوخال میں قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لحاظ سے ایسا کرنے کی اخلاقی جرأت نہ ہی کانگرسی لیڈروں میں ہے اور نہ لیگیوں میں۔ اس لئے دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ دونوں اپنی اپنی حکومت کو مذہب پرست بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پاکستانی کھلم کھلا اور اعلانیہ کر رہے ہیں

مگر بھارت کے حکمران در پردہ تو اس کوشش میں مصروف ہیں۔ مگر بظاہر وہ غیر مذہبیت کا روپ دھارے ہوئے ہیں۔ یہ سراسر فریب کاری ہے۔

آپ نے پاکستان کے اس اعلان پر کہ یہ ایک اسلامی حکومت ہوگی۔ بڑی سخت نکتہ چینی کی ہے۔ لیکن آپ بھول گئے ہیں کہ ہر ایک کانگرسی مہاتما گاندھی سے لے کر ایک معمولی کارکن تک دنیا کو یہی بتاتے رہے ہیں کہ ان کا آدرش ہندوستان میں رام راج قائم کرنا ہے۔ میری التجا ہے کہ آپ ہی بتائیے اس میں فرق کیا ہے۔ اگر صرف کسی جدید طرز کی حکومت کے ساتھ لفظ اسلام ہی آپ کے اشتعال کا باعث ہے تو لفظ رام راج کیوں نہیں ہے؟ یہ بھی ایک طرح کی مذہب پرستی اور قدامت پسندی ہے۔ اگر رام راج قائم کرنے کی تمنا کے ساتھ کانگرسی لوگ غیر مذہبی نظامِ حکومت، جمہوریت اور متحدہ قومیت کا بھی خواب دیکھ سکتے ہیں تو لیگی راہنماؤں کو بھی ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ بھی تو ہزار بار کہتے ہیں کہ وہ اپنے ملک میں ایسی جمہوریت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں ہر مسلمان اور غیر مسلمان کو زندگی کے ہر شعبہ میں مساوی حقوق اور مساوی ہوں گی۔ اگر ایک پکا جمہوریت پرست ہندوستان میں زندگی بسر کر سکتا ہے تو وہ پاکستان میں بھی پورے اطمینان سے زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر ایک مسلمان ہندوستان میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتا تو ایک ہندو کو بھی پاکستان میں اپنا جیون بنانے میں کوئی دقت اور خوف محسوس نہیں کرنا چاہیئے۔

سوال ——— اگر آپ کا یہی خیال ہے کہ بھارت ایک خالص ہندو راج اور پاکستان ایک مسلم حکومت بن رہا ہے اس لئے کشمیر جو

مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہیئے تو اس صورت میں کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ یہ ریاست کے لاکھوں ہندو باشندوں کے ساتھ ظلم ہوگا۔ اگر مسلمان ہندو مرکز کی سرداری قبول نہیں کر سکتے تو پھر ہندو اسلامی مرکز کی سرداری کیوں قبول کریں۔ اس گتھی کو آپ کیسے سلجھائیں گے۔

جواب ——— آپ کا اعتراض واقعی معقول ہے درحقیقت تقسیم ہند نے اقلیتوں کا مسئلہ حل ہی نہیں کیا بلکہ ایک لحاظ سے یہ اور اُلجھ گیا ہے۔ تمام جمہوریت پرست عناصر نے جن میں ہم بھی شامل تھے آئندہ ان ہونے والے واقعات کی پیش گوئی کرتے ہوئے فرقہ وار بنیادوں پر ملکی تقسیم کی مخالفت کی تھی۔ لیکن گاندھیائی قوم پرستی کے کرداروں نے مسلمانوں میں ایسا ہیجان پیدا کر دیا اور حالات ایسے مرحلے پر پہنچ گئے کہ سوائے تقسیم کو ماننے کے کوئی چارہ نہ رہا یہ ہمارا قصور نہیں ہے اور تاریخ میں جو کچھ آ چکا ہے اس پر سیخ پا ہونا اب بے فائدہ ہے۔ اب ہمارے سامنے ایسی صورتِ حال موجود ہے کہ جس سے پچھلی غلطی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ ہمیں اکثریت کے مفاد کا زیادہ سے زیادہ احترام کرنا چاہیئے ریاست کی پاکستان کے ساتھ شمولیت میرے خیال میں مسلمانوں کو مقابلتاً زیادہ خوش اور مطمئن کر سکے گی۔ اب رہ گیا اقلیتوں کا مسئلہ۔ سو اگر ساری ریاست پاکستان کے ساتھ ملحق ہوگی۔ تو زیادہ خوش حالی اور ترقی کا باعث ہوگا۔ لیکن ان اسباب سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جن کی بنا پر صوبہ جموں کے ڈوگرہ ہندو پاکستان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو ان ہندوؤں کو اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ صوبہ جموں کے وہ علاقے جہاں

ہندوؤں کی غالب اکثریت ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے بھارت کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ جس طرح ہم صوبہ کشمیر کے مسلمانوں کے حق میں دلائل دے چکے ہیں اسی طرح ہمیں ان غیر مسلموں کو حق خود ارادیت دینے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیئے۔ حکومت پاکستان نے اگر ڈوگرہ ہندوؤں کو ان کا یہ حق نہ دیا تو یہ اپنا موقف کمزور کرنے کی گویا اپنی حمایت میں جو دلائل اس نے اب تک پیش کئے ہیں۔ ان کی خود ہی تردید کر رہی ہے۔ باقی رہا وادیٔ کشمیر کے ہندوؤں اور سکھوں کا معاملہ۔ تو ان کے لئے ایسی سہولتیں اور موافق ماحول پیدا کر دیا جائے۔ تاکہ یہ لوگ الحاقِ پاکستان کے بعد اپنے وطن میں پُرامن اور آبرومندانہ زندگی بسر کر سکیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی چند سالوں تک پاکستان اور بھارت میں اقلیتوں کی زندگی کٹھن رہے گی۔ یہ ماضی کے تلخ حقائق کی پیداوار ہے۔ اس کی تلافی صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ خوش اخلاقی۔ رواداری۔ بردباری اور انصاف پسندی کے خیالات کو پھیلایا جائے۔ یہ خیال کرنا بالکل حماقت ہوگا کہ ہندوؤں کا بھلا صرف ریاست کے مسلمانوں کو دبا کر اور انہیں ان کے حقِ خود ارادیت سے محروم کر کے ہی ہو سکتا ہے۔ ایسا سوچنا اور کرنا تباہ کن ثابت ہوگا۔

آیئے ہم اس مفروضے پر ایک نگاہ ڈالیں کہ ہندوستان ایک خوش حال اور ترقی یافتہ ملک ہے۔

نئے ہندوستان میں لوگوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں وہ آزادی بھی نصیب نہیں رہی۔ جو انہیں نگرینہ کے زمانے میں حاصل تھی۔ ہر ایک صوبے میں پبلک سیفٹی ایکٹ۔ پبلک سیکورٹی ایکٹ۔ ایکٹ تحفظ امن عامہ اور ڈیفنس

6384

ایکٹ جیسے قوانین نے ہر فرد کی آزادی کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ پارلیمنٹ کے نئے آئین کے نفاذ کے ایک ماہ بعد ہی ایک ایسا قانون بنایا گیا۔ جس کا نام پری وینٹوڈی ٹنشن ایکٹ ہے۔ اس قانون کے تحت ہر کوئی شخص گرفتار کر کے بغیر کسی عدالتی کارروائی کے ایک سال تک نظر بند کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ غنڈہ ایکٹ کو بھی کانگریس حکومت کی مخالفت کرنے والوں کو دبانے کے لئے برتا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ قانون صرف بدمعاشوں۔ غنڈوں اور آوارہ مزاج افراد کی سماج دشمن بدعنوانیوں کو ختم کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ ہزاروں مخلص تعلیم یافتہ اور ذہین مرد اور عورتیں محض اس وجہ سے جیلوں میں گل سڑ رہے ہیں۔ کہ انہوں نے برسرِ اقتدار طبقہ کی من مانیوں کی حمایت نہیں کی۔ پریس قوانین اس قدر سخت ہیں کہ کوئی اخبار بھی آزادی سے عوام کی آواز کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اور نہ ہی سرکاری معاملات پر اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ کانگریسی وزارتیں غیر پسندیدہ عناصر اور حزبِ مخالف کو فرقہ پرست یا کمیونسٹ کہہ کر دبا رہی ہیں۔

اس آزاد ہندوستان میں کانگریسی کارکن دفتری کاموں میں بیجا مداخلت کر کے تمام نظم و نسق پر چھائے ہوئے ہیں۔ وہ سرکاری اہلکاروں کو مجبور کرتے ہیں۔ کہ وہ انصاف۔ ضابطہ اور دلیل کے برعکس کارروائی کر کے ان کے دوستوں رشتہ داروں اور واقف کاروں کو ناجائز فائدہ پہنچائیں۔ یہاں تک کہ عدالتیں بھی اس ناجائز مداخلت سے محفوظ نہیں ہیں۔ کئی ایک دیانت دار۔ مخلص اور اصول پرست اعلیٰ ججوں نے جن کے ہاتھ میں برطانوی دور میں بھی عدالت

عالیہ کے فرائض کی میزان رہی ہے۔ اس قسم کی بے جا مداخلت کے خلاف احتجاج کیا۔ اور کانگریسی راہنماؤں کو متنبہ کر دیا ہے کہ وہ عدل و انصاف ایسے پاکیزہ منصب کو اپنی مداخلت سے گندہ نہ کریں۔

ہندوستان کی اقتصادیات اس کی سیاسی اور سماجی حالت سے بھی بدتر ہیں۔ سارا ملک اونچے طبقہ کے موٹے موٹے سرمایہ داروں کے چنگل میں پھنس چکا ہے۔ اور یہ لوگ بڑی بے دردی سے عوام کا خون چوس رہے ہیں۔ وہ کانگریسی لیڈر جو آزادی ملنے سے پہلے خوشحالی اور اشتراکی بنیادوں پر جمہوریت کے قیام کے لیے جو بڑے وعدے کیا کرتے تھے۔ اب جوں ہی کہ انگریز یہاں سے نکلا اپنے وعدے بھول گئے۔ اور صاف کہہ رہے ہیں کہ صنعتوں کو قومی ملکیت قرار دینے کے منصوبوں پر ابھی عملدرآمد نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ کانگریس بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی مرضی کے خلاف ان کی جاگیریں اور زمینداریاں ختم کرانے کو تیار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ابھی اپنی ساکھ سے دست کش ہونے پر آمادہ نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ بھاری بھرکم معاوضے بھی اس طبقہ کو اپنی صدیوں پرانی کھیپ چھوڑنے پر رضامند نہیں کر سکتے مگر کانگریسی انقلاب پسند اب اس قدر بے بس ہیں۔ کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

ہندوستان کی غذائی پیداوار اس کے کروڑوں باشندوں کی ضروریات کے لحاظ سے بالکل ناکافی ہے۔ ملک کے بعض حصوں میں لوگ سال بھر متواتر فاقہ کش رہتے ہیں۔ اور بعض حصوں میں ہر سال کئی کئی مہینے قحط رہتا ہے

یہ کتاب لکھتے وقت یعنی اگست ۱۹۵۰ء میں بھی بہار۔ مدراس۔ مالابار اور مغربی بنگال سے لوگوں کے بھوکوں مرنے کی خبریں ملی ہیں۔

نہرو جی نے جنتا کے نام پیغام نشر کرتے ہوئے کہا۔ کہ غذا کی صورت بے حد نازک ہو چکی ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ اس جذبہ اور حوصلہ مندی سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ گویا ملک کے اندر جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ ورنہ دوسرا اور کوئی ہو پائے نظر نہیں آتا۔

کانگرس نے اقتدار سنبھالتے ہی برطانوی عہد کی راشن بندی اور تقسیم ضروریات زندگی کے طریق کار کو محض بڑے بڑے بیوپاریوں کو خوش کرنے کے لئے ختم کر دیا۔ اس سے افراط زر کا ظہور ہوا اور زندگی کی معمولی ضروریات گراں سے گراں تر ہو گئیں۔ عوام نایابی اور مہنگائی کے باعث بھوکوں مرنے لگے۔ حکومت دوبارہ کنٹرول کرنے پر مجبور ہو گئی۔ مگر بے سود۔ اگر چہ اشیاء کی قیمتیں زیادہ نہ بڑھیں۔ لیکن یہ نیچے بھی نہ اتریں۔ جس سے افراط زر بڑھتی گئی۔ عام لوگوں کے لئے اشیاء اسی طرح مہنگی اور نایاب ہیں اور معیار زندگی بے حد پست ہو گیا ہے۔

کسی ملک کی خوشحالی کا انحصار دوسرے ملکوں کی تجارت کے باہمی توازن پر ہوتا ہے۔ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ہر سال ہندوستان کو اس مد میں خسارہ رہا ہے۔ یہ خسارہ ۱۹۴۹ء میں ایک ارب دو کروڑ کے لگ بھگ تھا۔

کیا ہندوستان کی خوشحالی کا یہی ثبوت ہے؟ کانگرس حکومت اور اس کا نفس ناطقہ یعنی پریس جو کچھ بھی اپنی تعریف میں کہے۔ اس سے قطع نظر کر کے ہمیں اعداد و شمار کا جائزہ لے کر اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہیئے۔ اگر حقائق کچھ اور ہی بتائیں تو پھر ہمیں خود غرض لیڈروں کے تعصب انگیز اور یک طرفہ بیانات سے گمراہ نہیں ہونا چاہیئے۔

سوال ——— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ مجھے اس بات کا قائل کر لیں کہ پاکستان ایک مثالی حکومت ہے اور اس کے برعکس ہندوستان ایک رجعت پسند اور پسماندہ ملک ہے۔ آپ کا ایسا کرنا تو کجا صرف سوچنا ہی افسوسناک ہے۔ لیکن آپ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ پھر بھی یہ پاکستان سے ہر پہلو میں بہتر نظام حکومت ہے۔ میرا ضمیر کہہ رہا ہے کہ کشمیر کا بھلا صرف ہندوستان کے ساتھ الحاق میں ہے۔ پاکستان کے ساتھ الحاق میں نہیں۔

جواب ——— آپ یہ کہہ کر کہ میں پاکستان کو نمونہ کی ایک جدید حکومت سمجھتا ہوں۔ مجھ سے سخت ناانصافی کر رہے ہیں۔ میں نے ایسا کبھی نہیں کہا اور نہ ہی میں نے دوران بحث میں ایسا سمجھنے کا آپ کو مشورہ دیا ہے۔ ہندو یونین کے نئے تغیرات پر نکتہ چینی کرتے ہوئے میں نے جس انداز سے اس جمہوریہ کی غیر مذہبی روش۔ ترقی اور آسودگی کے مفروضات کا پردہ چاک کیا ہے۔ اسی انداز سے میں نے

اس کے ہمسایہ ملک پاکستان کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ اور میں نے کوئی غیر تنقیدی ستائش نہیں کی۔ میں تو جانتا ہوں کہ ایک جمہوریت پرست انسان کے نزدیک پاکستان کے حالات بھی غیر تسلی بخش ہیں اس ملک کے نظم و نسق میں بھی کئی ایک نقص ہیں۔ مثال کے طور پر اس (پاکستان) پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ایسی مملکت جہاں مختلف عقائد اور مذاہب کے لوگ ہوں وہاں کسی ایک مخصوص مذہب کے اصولوں پر حکومت چلانے پر بار بار زور دینا درست نہیں ہے۔ یہ ایک عہد وسطیٰ کا نظریہ ہے۔ جو عصر جدید میں ناپسندیدہ ہے۔ دوسرے پاکستان میں ایسا عنصر موجود ہے۔ جو مذہب پرست نہ سہی، ماضی پرست ضرور بننا چاہتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس مملکت کے ہر گوشہ میں اب بھی بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار سارے بندوبست پر چھائے ہوئے ہیں۔ تھوڑے بہت نواب جو پاکستان میں رہ گئے ہیں۔ انگریز کے زمانے کی طرح مطلق العنانیت کے مکمل اختیارات سنبھالے ہوئے ہیں۔ ہر باشندے کی شہری آزادی آہستہ آہستہ چھن چکی ہے۔ اور پریس بھی اس حق آزادی سے محروم کر دیا گیا ہے جو اسے ایک جمہوری حکومت میں ملنا چاہیئے۔ یہ حالات واقعی وہاں پائے جاتے ہیں۔ اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

البتہ میں واقعی یہ بات آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ کانگریسی قوم پرست پاکستان کو طعن و تشنیع کا ہدف بناتے وقت ہندو یونین کے نقائص کو بھول جاتے ہیں۔ اس شخص کو جسے حق کی تلاش ہو۔ چاہیئے کہ فراخدلی سے حالات کا جائزہ لے اور ٹھنڈے دل کے ساتھ کوئی رائے قائم کرے۔ مان لیا کہ پاکستان ایک مثالی حکومت نہیں ہے۔ مگر ہندو یونین کے مقابلہ میں تو یہ زیادہ آسودہ حال ہے۔ ترقی یافتہ نہ سہی اگر سنا فقط واقعی قابل نفرت برائی ہے۔ تو پاکستان لائق ستائش ہے کہ یہ اس برائی سے پاک ہے۔ کیونکہ یہ کھلم کھلا کہتا ہے کہ پاکستان کا نظام حکومت اسلامی ہوگا۔ اور اس کے ساتھ یہ دعوے بھی کرتا ہے کہ یہاں اقلیتوں اور غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔ کیونکہ اسلام اپنے پیروؤں پر ایسا کرنے کا فرض عائد کرتا ہے۔ اس کے برعکس کانگریس غیر مذہبی نظام حکومت کے قیام کا بظاہر ڈھنڈورا پیٹتی ہے۔ مگر در پردہ عملی طور پر پرانے زمانے کی طرح سودن ہندوؤں کا رام راجیہ قائم کرنے میں مصروف ہے صحت مند جمہوری نقطۂ نگاہ سے یہ دونوں قابل اعتراض ہیں۔ لیکن یہ قابل افسوس بات ہے۔ کہ آپ کانگریس کے منافقانہ طرز عمل کو تو پسند کرتے ہیں۔ مگر پاکستان کی حق گوئی آپ کو برداشت نہیں ہے۔ یہی ایک بات ہے۔ جس کو میں آپ کے سامنے واضح کرنا چاہتا ہوں۔

کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرتے وقت ہمیں حقائق، اور تازہ تبدیلیوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ صرف زبانی اعلانات کافی نہیں ہونگے کشمیر مسلم اکثریت کا خطہ ہے۔ زیادہ گنتی کے ان باشندوں کا جغرافیائی

اقتصادی۔ مذہبی اور تمدنی رشتہ پاکستان کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہندوستان کے ساتھ نہیں۔ قدرتی طور پر کشمیر کو پاکستان کے ساتھ اپنا ناطہ استوار کرنا چاہیئے۔ بھارت کے ساتھ نہیں۔ اگر زبردستی یا فریب کاری سے کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ پیوست کر دیا گیا تو کافی تباہی مچیگی۔ کشمیری ایک مستقبل بوجھ تلے۔ دب جائیں گے اور خوشی کی زندگی بسر نہیں کر سکینگے مثال کے طور پر دیکھئے کہ پاکستانی جھنڈا عام اسلامی پرچم کی طرح سبز رنگ کا ہے اور اس میں ہلال کا نشان رکھا ہوا ہے۔ بھارتی جھنڈا ترنگا ہے۔ اور اس میں دھرم چکر بنا ہوا ہے۔ جو قدیم ہندو دھرم کی نشانی ہے کیا آپ تسلیم کر سکتے ہیں کہ مسلمان ترنگے جھنڈے کے سامنے جھک کر وہی مسرت محسوس کرے گا۔ جو اس کو ہلالی پرچم کو سلامی دے کر ہوگی؟ اور پھر ایک مسلمان کے جذبات کا کیا رنگ ہوگا۔ جب وہ جانا۔ گانا۔ اور بندے ماترم کے ترانے گانے پر مجبور ہوگا۔ لیکن اگر یہی مسلمان جب پاکستان کا قومی ترانہ اردو زبان میں گائے گا۔ تو اس کے سینے میں خوشی کا بے پایاں سمندر موجزن ہوگا۔ یہی صورت قومی زبان کی ہے۔ اگر ہندوؤں کی موجودہ ذہنیت اس طرح چند سال اور رہی تو قیاس غالب ہے کہ اردو زبان بھارت سے مٹ جائے گی۔ اس وقت کشمیری مسلمانوں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ دیوناگری لپی میں ہندی یا سنسکرت کو قومی زبان کی حیثیت سے پڑھیں تو اس وقت مسلمانوں میں کتنی بے چینی بڑھیگی اور یہ خیال کر کے وہ کس قدر حسرت زدہ ہونگے

کہ اگر وہ پاکستان کے ساتھ شامل ہوتے تو آج وہ فارسی اور عربی حروف میں اردو لکھتے پڑھتے ہوتے۔

آپ کا یہ وچار کہ کوئی اندرونی آواز آپ کو کہتی ہے کہ کشمیر اگر ہندوستان کے ساتھ ملحق ہو جائے تو یہ بہت خوشحال رہے گا۔ میں اس کے جواب میں یہی کہونگا کہ یہ وچار معقولیت پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ آپ کی فطری تنگ نظری ہے۔ کشمیر سے آپ کا مقصود صرف ہندو جاتی ہے۔ آپ مسلمانوں کو نظر انداز کرتے ہیں اور کوئی معقول نظریہ بھی آپ کو پسند نہیں ہے۔ اگر آپ تعصب اور تنگ دلی سے بالاتر ہو کر ٹھنڈے دل کے ساتھ مسئلہ کی نوعیت کا جائزہ لیں تو آپ کو اتفاق کرنا ہوگا کہ کشمیر کے لئے مناسب جگہ صرف پاکستان ہے اور ہندوستان کے ساتھ الحاق اس کی قسمت کو تاریک کر دے گا۔

سوال ——— اگر بقول آپ کے پاکستان ایک مثالی اور جدید طرز کی حکومت نہیں ہے اور جمہوری زاویہ نگاہ سے اس میں بہت سے نقائص پائے جاتے ہیں۔ تو پھر آپ کشمیر کو پاکستان کے ساتھ اپنا الحاق کرنے کی رائے کیوں دیتے ہیں؟ بلاشبہ یہ تمام نقائص الحاق کے بعد ہم پر اثر انداز ہونگے۔ خاص کر ہندوؤں کی حالت سخت قابل رحم اور المناک ہو جائے گی۔ کیا یہ مناسب نہیں ہو سکتا۔ کہ ریاست آزاد ہی رہے؟

جواب ——— مجھے اس امر میں آپ سے پورا اتفاق ہے

برِ عظیم ہند کی فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم، اس سے پہلے اور بعد کے دردناک واقعات کے پیشِ نظر واقعی یہ بہتر تھا کہ کشمیر دونوں مملکتوں میں حالات پُرسکون سطح پر آنے تک آزاد رہتا۔ یہ مشورہ میں نے اور میرے ہمخیال دوستوں نے اپریل ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی راج دربار کو دیا تھا لیکن مہاسبھائی ہندو اس قدر جنونی وہ اور کشمیری قوم پرست اقتدار کے اس قدر بھوکے تھے کہ وہ متواتر اصرار کرتے گئے کہ ریاست ہندوستان میں شامل ہو۔ ہندوؤں کا خیال تھا کہ ہندوستان اپنی فوجی طاقت سے آسانی کے ساتھ مسلم رائے عامہ کو کچل سکتا ہے اور پاکستان ڈر کے مارے نزدیک بھی نہیں پھٹک سکیگا۔ کشمیری قوم پرستوں نے تاڑ لیا کہ اگر ریاست ہندوستان کے ساتھ ملحق ہوگی تو یقیناً اقتدار ان کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور اپنے مخالفین کو خواہ وہ کتنے ہی ہر دلعزیز کیوں نہ ہوں گے، طاقت کے ساتھ ختم کر سکتے ہیں۔ اس قدر اندھیر گردی مچی کہ دنیا کی رائے کی کسی نے پروا نہیں کی، اور اس کے بعد جو کچھ رونما ہوا میں اسے دہرانا نہیں چاہتا۔ آپ سب بخوبی جانتے ہیں۔ لیکن یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ جنگ کشمیر نے کسی ایک مملکت کے ساتھ الحاق کو ناگزیر بنا دیا ہے۔ اور اب یہ ریاست کسی صورت بھی آزاد نہیں رہ سکتی۔ کشمیر کو آزاد رکھنے کے لئے بہت سے اسباب کی ضرورت ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے لئے تمام طبقوں کے عوام کی رضامندی لازمی ہے۔ ہم ایسے خطّہ میں رہتے ہیں۔ جہاں پانچ

بڑے بڑے ممالک کے جن میں اشتراکی روس بھی شامل ہے۔ ڈانڈے ملتے ہیں۔ ان تمام ممالک کو ہماری آزادی کے تحفظ کا پیمان باندھنا ہوگا۔ ورنہ ہم میں اپنی اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم اپنے دفاع کے لئے کوئی فوج رکھ سکیں۔ خاصکر ہندوستان کو صاف دلی اور خلوص کے ساتھ ہماری آزادی کے احترام کا حتمی وعدہ کرنا ہوگا۔ تقسیم سے پہلے کشمیری مسلمانوں اور پاکستان نے کچھ وجوہ کی بنا پر کشمیر کے آزاد رہنے کی حمایت کی تھی۔ اگر اس وقت ریاستی ہندو اور مہاراجہ میں تھوڑی سی بھی عقل ہوتی۔ تو وہ فوراً شکریہ کے ساتھ اس تجویز کو مان لیتے۔ لیکن کانگرس نے اپنی عادت کے مطابق سازش کا جال بننا شروع کر دیا اور مہاراجہ کو اس میں پھنسا کر خودکشی کی راہ پر لگا دیا۔ ان مسلمانوں سے اب ریاست کو آباد رکھنے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ جنہوں نے اپنی بے مثال قربانیوں سے ڈوگرہ راج کا تختہ اُلٹا۔ اور پاکستان کی اخلاقی و مادی امداد سے ہندوستانی سامراج کو بھگا دیا ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ جنگ نے کشمیر کا سارا انجر پنجر ڈھیلا کر دیا ہے اور اب کسی بڑی طاقت کے سہارے سے ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکیگا۔ ہمیں اس حقیقت کو نہ بھول جانا چاہیئے کہ چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے الگ تھلگ ہو کر آزاد اور زندہ رہنے کے دن بیت چکے ہیں موجودہ دور میں دنیا بھر کی قوموں کی ترقی اور خوشحالی کا راز ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے اور دوستی کا رشتہ مضبوط کرنے میں مضمر ہے۔ چونکہ کشمیر نے بھی کسی جمہوری نظام کو نہیں

دیکھا۔ اس لئے اگر یہ آزاد رہا تو اس کے رجعت پسند اور ترقی دشمن خطہ بن جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر ہم نے اپریل ۴۸ء کے دوران میں اس کے آزاد رکھنے کی رائے دی تھی تو وہ مستقل طور پر آزاد رہنے کے لئے نہیں تھی بلکہ ہمارا عندیہ تھا کہ ہم صرف کچھ عارضی میعاد کے لئے آزاد رہیں تاکہ ہم ہمسایہ ملکوں میں حالات کے اتار چڑھاؤ کا مشاہدہ کر سکیں اور آخر میں ہم کسی ایک کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کر سکیں

سوال ——— آپ کہتے ہیں کہ کشمیر ایک علاحدہ خطہ کی حیثیت سے آزاد نہیں رہ سکتا۔ میں مانتا ہوں کہ آپ کا استدلال اس معاملہ میں بہت قدرتی ہے۔ مگر آپ یہ بھی تو کہتے ہیں کہ جمہوری ملک کی مانند پاکستان میں صحیح آزادی مفقود ہے یہ نرالی سی بات ہے کہ آپ پھر بھی کشمیر کو پاکستان کے ساتھ ملحق ہونے پر زور دے رہے ہیں

جواب ——— اگر آپ واقعی مجھ سے اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ کشمیر الگ تھلگ آزاد نہیں رہ سکتا۔ تو پھر وہ صورت یہ رہ جاتی ہے کہ کشمیر کسی ایک مملکت یعنی پاکستان یا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرے میں واضح کر چکا ہوں کہ کشمیر کیوں ہندوستان میں شامل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس کو صرف پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہیئے مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ پاکستان کے ساتھ الحاق کے بعد وہ آزادی جس کا میں تصور کرتا ہوں کشمیریوں کو فوراً نہیں مل سکیگی۔ ہمیں بہت سے مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کا مختصر سا تذکرہ پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ ممکن ہو سکتا ہے

کہ مسلمانوں کی نسبت ہندو پاکستانی لیڈروں کے اس امید افزا وعدہ کے باوجود کہ اقلیتوں کا مستقبل بہتر ہو گا زیادہ مصیبت میں پڑ جائیں نیز نفسیاتی ماحول اس قدر ناخوشگوار ہے کہ ہندو بے خوف و خطر ابھی وہاں نہیں رہ سکتا۔ عملی طور پر ابھی غیر مسلم اس مساویانہ سلوک سے مستفید نہیں ہوئے جس کا پاکستان کا برسر اقتدار طبقہ ہمیشہ اعلان کرتا رہتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی راہ بھی موجود ہے جو کشمیری غیر مسلموں کی بہتری کی ضامن ہو سکے۔ فرض کیجئے کہ کسی نہ کسی طرح کشمیر ریاستی مسلمانوں کی مرضی کے خلاف ہندوستان کے ساتھ ملحق رہتا ہے۔ کیا اس صورت میں ریاستی ہندو چین، امن اور آسودگی کی زندگی گزار سکے گا۔ ہندوؤں کا تنگ نظر طبقہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ واقعی ہندوستان کے ساتھ خوش رہ سکے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہندو یونین کا ہندو مرکز ریاستی مسلمانوں کے کسی بھی تشدد کے خلاف ڈھال کا کام دیگا۔ خیالی لحاظ سے یہ چارہ ٹھیک ہے۔ مگر ہمیں دیکھنا ہوگا کہ اسکی عملی صورت کیا ہوگی۔ ہمیں تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان رضامندی کے ساتھ الحاق ہند کو ہرگز نہیں مانیں گے۔ حکومت ہند کو یا تو مسلمانوں کی ایسی کٹھ پتلی جماعت کے ہاتھ میں اقتدار سونپنا ہوگا۔ جو نمائندہ حیثیت کی مالک نہیں ہوگی یا خود براہ راست یا بالواسطہ ہندو مہاراجہ نظام حکومت کو سنبھالتا ہوگا۔ بہر صورت مسلمان رفتہ رفتہ معاندانہ رویہ اختیار کرتے جائینگے۔ ان کے سینوں میں مرکزی حکومت ہند کے خلاف بغاوت کا لاوا پکنا شروع ہو جائیگا۔ پھر اس لاوے کو دبانا حکومت کے بس کا روگ نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکے گا۔ کہ بھارتی فوجیں کشمیر کے بند و بست پر ہمیشہ کے لئے قبضہ جمائے رکھیں۔ فرقہ وارانہ مسئلہ زیادہ خطرناک بنتا چلا جائے گا۔

کیونکہ یہ کشمکش ہندو استبدادیت کے خلاف مسلم شورش کی شکل اختیار کر
لے گی ۔ جوں جوں وقت گذرتا جائیگا۔ یہ کشمکش زیادہ تلخ اور ہولناک ہوتی
جائیگی۔ سیاسی لحاظ سے بیدار اور تعلیمیافتہ مسلمان طبقہ کسی نہ کسی جائز غذر
اور مطالبہ کی آڑ لے کر شاکی اور ناراض رہیگا۔ غرضیکہ کوئی بھی خوددار حساس
اور آزادی کا متوالا کشمیری مسلمان کانگرسی رہنماؤں کے منظور نظر اور کٹھ پتلی
نیشنلسٹوں کا ساتھ نہیں دے گا۔ حکومت پاکستان اور اس کے عوام
مسلمانان کشمیر کو بھارت کے خلاف ہمیشہ اکساتے رہیں گے۔ سات سو
میل لمبی ریاستی سرحد پر لکے دُکے گوریلا حملے بھی جاری رہینگے اور اس
طرح وسیع سرحدی علاقہ ہمیشہ غیر آباد اور ویران رہیگا۔ جب کبھی اکسائے
ہوئے اور بے چین مسلمان ہندو یونین کے خلاف سرکشی اختیار کریں گے
تو سب سے پہلے وہ مقامی ہندو باشندوں پر ہی جھپٹ پڑیں گے کیونکہ
یہ ہندو ان کے خیال میں دشمن ہندو حکومت کے حلیف ہونگے۔ ان
حالات میں سارا ملک امن اور سلامتی سے محروم رہے گا۔ ہم پچھلے ہی
گذشتہ تین برسوں میں تلخ تجربات سے دوچار ہو چکے ہیں۔ عام طور پر
ہندو اس زعم میں پھنسے ہوئے ہیں کہ جلد یا بدیر موجودہ حالت سدھر
جائیگی۔ اور اس امید موہوم میں وہ ہر موجودہ سختی کو صبر کے ساتھ برداشت
کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن حالات تب تک سدھر نہیں سکتے۔ جبتک
یہ گتھی مسلم اکثریت کی خواہش کے مطابق پُرامن اور دوستانہ طریقے پر
سلجھائی نہیں جاتی۔ اگر اس طریقہ سے کوئی فیصلہ نہ ہوا تو آئندہ ملکی

صورت حال اور زیادہ ابتر ہوتی جائیگی کشمیر صرف اس صورت میں ہندوستان
کے ساتھ ملحق رہ سکتا ہے کہ یا تو مسلم آبادی کو بالکل ملیامیٹ کر دیا جائے
یا برِ عظیم کے دوردراز علاقوں مثلاً مدراس یا اڑیسہ کی طرف جلاوطن کردیا جائے
وادیٔ کشمیر کے کسی بھی مسلمان کو کوئی سبز باغ دکھا کر خوش نہیں کیا جا سکتا۔
وہ سب کے سب ہمیشہ ہندوستانی سامراج کی سخت گیری اور تشدد سے
نالاں رہیں گے۔ اور اندرونی بدامنی و شورش کا باعث بنے رہیں گے۔ ہر
ملک کے فسادات ہمیشہ اکثریت کی نسبت اقلیت کو زیادہ نقصان
پہنچاتے ہیں۔ اس حقیقت سے ذرا سا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ
اگر یہ ریاست پاکستان کے ساتھ ملحق ہو جائے تو اس کا اندرونی امن
و امان بحال ہو کر پائدار ثابت ہو سکتا ہے۔ روزمرہ کے پُرامن حالات
پھر لوٹ کر آ سکتے ہیں اور ہندو بھی موجودہ حالت کی نسبت زیادہ اطمینان
کا سانس لے سکیں گے۔ ہندو موجودہ کٹھ پتلی حکومت کی بے انصافی
کو فراموش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس نے ان کے جائز حقوق کو محض
اس لئے اپنی اغراض کی بھینٹ چڑھایا۔ تاکہ مسلمان خوش ہو کر ہندوستان
کے ساتھ چپٹے رہیں۔ جبکہ پہلے ہندو یہ خیال کرکے کہ یہ سارا ڈھونگ
عارضی ہے اور صرف ہندوستان کے حق میں مسلمانوں کی خوشنودی حاصل
کرنا ہے۔ انہوں نے بھی محض مسلمانوں سے ووٹ حاصل کرنے کے لئے
اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔ لیکن اب یہ جانتے ہیں کہ اتنی بڑی قیمت
ادا کرنے کے باوجود مسلمان خریدا نہیں جا سکا۔ اور وہ بدستور پاکستان کا

حامی کار ہے اور انہوں نے اب یہ بھی بھانپ لیا ہے کہ اگر اس مسئلہ کا فوری حل نہ ہوا تو ان کو آئندہ اور زیادہ قربانیاں دینی پڑینگی۔ جو ان کی تباہی و ہلاکت کا پیش خیمہ ہونگی۔ اسی سبب ہزاروں کشمیری ہندو ریاست کو چھوڑ چکے ہیں اور اس وقت یہ ہندو بھارت کو پاکستان کے خلاف اکسائیں گے۔ اور اکثریت کی خواہش کو دبانے کا تہیہ کریں گے۔ تو اس کا نتیجہ تباہی اور مصائب کی صورت میں ظاہر ہوگا مستقبل اور زیادہ بھیانک اور خوفناک بن جائے گا۔ ان کو چاہیئے کہ ایسا کرنے کی بجائے وہ جرأت مندی سے کام لے کر معقول اور جمہوری طرز عمل کا مطالبہ کریں ان کا یہ قدم ان کے روشن مستقبل کی دلیل ہوگا۔ میں یہ ہرگز ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ طرح طرح کی سختیاں جو ہندوؤں کو پاکستان اور مسلمانوں کو ہندوستان میں درپیش آرہی ہیں ہمیشہ موجود رہینگی۔ یہ ایک عارضی دور ہے۔ بہت جلد دونوں مملکتوں کی اقلیتوں کی حالت سدھر جائیگی۔ اس سدھار کی محرک دنیا کی رائے عامہ اور زیادہ گنتی کی قوموں میں ذہنی بیداری، رواداری اور ان کا جمہوری شعور ہونگے اگر کشمیری ہندو فراخدلی دانشمندی اور پوری سمجھ سے کام لے کر مسئلہ کشمیر کے بارے میں اپنی روش تبدیل کرلیں تو وہ مبارک گھڑی قریب آگئی ہے۔ جس میں وہ اپنی اور پاکستان کے ایک کروڑ بیس لاکھ ہندو باشندوں کی کافی خدمت کرسکینگے ایک سچے آزادی خواہ کا فائدہ اس مسئلہ الحاق میں صرف یہ ہے۔ کہ اس کی راہ عمل ہموار رہے اور کوئی خطرناک چٹان گر کر اس کو روک نہ دے

یہ صرف پاکستان کے ساتھ رشتہ جوڑ کر ہی ہوسکتا ہے۔ اگر کشمیر کو زبردستی ہندوستان کے ساتھ نتھی رکھنے کی کوشش کی گئی۔ تو آزادی وطن کی ساری جدوجہد پس پشت پڑ جائے گی اور اس کی بجائے فرقہ وار کشمکش سیاسی پنڈال پر چھا جائیگی۔ دلائل جذباتی پن کا شکار بن جائینگے اور مذہبی جنوں کاریاں سیاسی اور اقتصادی مسائل کو ملیامیٹ کر کے رکھ دینگی۔ اس کے برعکس اگر کشمیر نے یقینی طور پر پاکستان کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑ لیا تو فرقہ وار کشمکش اس وقت نابود ہوگی اور ملک کی سیاسی و اقتصادی آزادی کے لئے پُر جوش جدوجہد از سر نو جاری ہوجائیگی۔

سوال ——— آپ نے آزادی کشمیر کا بار بار تذکرہ کیا ہے کیا آپ کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی عذر ہے کہ کشمیری عوام کو اسی وقت مکمل آزادی مل گئی تھی۔ جس روز ریاست نے ہندیونین کے ساتھ الحاق کیا تھا؟ ڈوگرہ راج عملی طور پر ختم ہوگیا ہے اور اب حکومت کشمیری مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ وادی کشمیر کے عوام کو آج تک ایسی آزادی کبھی نہیں ملی تھی۔ اس کی مثال تاریخ میں بھی نہیں پائی جاتی۔ مجھے شک ہے کہ کشمیری مسلمان پاکستان کی مرکزی حکومت کی مداخلت سے محفوظ رہ سکیں۔ اس مملکت کے ساتھ شامل ہوکر یہاں کے عوام پوری آزادی حاصل نہیں کرسکیں گے۔ لہٰذا آپ جیسے سیاست کار کو جو آزاد کشمیر کے داعی ہیں۔ عوام کی پوری آزادی کے پیش نظر الحاق ہند کی تائید کرنی چاہیئے۔ نہ کہ پاکستان کے ساتھ الحاق کی۔ اس کے

متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟

جواب ——— ہندوستانی حکومت نے یہ وسیع اختیارات صرف ایک محدود گروہ کے ہاتھوں میں سونپ رکھے ہیں۔ اس گروہ کے سارے افراد اس حکومت ہند کے چٹو ہیں اور وادی کے معرکوں کا ان میں ایک بھی نمائندہ نہیں ہے۔ ان کو یہ اقتدار اس لئے بخشا گیا ہے تاکہ ریاستی مسلمانوں کو چکادے کہ ہندوستان کے حق میں ان سے ووٹ لئے جا سکیں جوں ہی کہ ان کا مقصد پورا ہوا۔ یہ سارے وسیع اختیارات ان سے چھین لئے جائیں گے اور ان کی جگہ ایسے قوانین نافذ ہونگے۔ جن کے تحت کشمیری عوام بشمول نیشنلسٹ صاحبان کی ساری آزادی ختم کرا کے رکھ دی جائیگی۔ اس وقت ہندوستان سامراج کے اصلی آہنی ہاتھ کا ہمیں پتہ چلے گا۔ درحقیقت ہر شخص کو علم ہے کہ ہندوستان کی یہ فریب کارانہ پالیسی کشمیر میں اب تک تو ناکام ثابت ہو رہی ہے۔ چونکہ کشمیری نیشنلسٹ عوامی لیڈر نہیں ہیں۔ لہذا وہ اپنے اقتدار کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔ ہر جگہ لوگ ان کے مظالم سے فریاد کناں ہیں۔ خاصکر ہندو بھی جن کو حکومت ہند کے مفاد کے پیش نظر اسکی منافقانہ پالیسی کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے تھا۔ موجودہ خیر عوامی نیشنلسٹ طبقے کے ہاتھوں نالاں ہیں اور ان کے خلاف اپنی ناراضی کا کھلم کھلا اظہار کر رہے ہیں۔

جہاں تک ڈوگرہ راج کا تعلق ہے معمولی سی سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی جان سکتا ہے۔ کہ یہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ یہ اب بھی زندہ ہے اور اسی طرح ظالم بھی۔ صرف سیاسی چال بازی کے تحت مہاراجہ پردے کی اوٹ میں چلا گیا ہے تاکہ بھارتی سامراج کے پٹھو اس کے تاج و تخت کو کشمیری عوام کی بغاوت کے شعلوں سے محفوظ کر سکیں۔ جوں ہی کہ یہ بغاوت دب گئی مہاراجہ پھر باہر آ کر اپنی گدی سنبھال لے گا۔ اس کے اختیارات طاقت اور وقار بحال کرا دیئے جائیں گے۔ اور نیشنلسٹ پھر اپنی پرانی ڈگر پر جوتیاں چٹخاتے نظر آئیں گے۔ بھارت کی موجودہ حکومت ممکن ہے کہ ساری جمہوریہ کے تمام راجگان کو بے تاج و تخت کر دے۔ مگر مہاراجہ کشمیر کو گدی سے نہیں اتارے گی۔ کیونکہ یہ خطہ مسلم اکثریت والا ہے اور ایک مسلم حکومت کی سرحد پر واقع ہے۔ یہاں ہندو راج کی آن اور وقار کے لئے بھارت ہندو مہاراجہ کو پوری طاقت سے لیس کر دینا چاہتا ہے۔

اب ہم فرض کر لیتے ہیں کہ مہاراجہ کو نیشنلسٹ طبقہ کی خوشی حاصل کرنے کے واسطے گدی سے اتار دیا جاتا ہے۔ تاکہ نیشنلسٹوں کا یہ عندیہ پورا ہو جائے۔ کہ کشمیری مسلمان لازماً ہندوستان کے ساتھ رہینگے بشرطیکہ ڈوگرہ حکومت ختم کر دی جائے۔ کیا اس صورت میں بھی حالات کے سدھرنے کی توقع ہو سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ڈوگرہ حکمران کی جگہ ہندوستانی مرکز برسر اقتدار آ جائے گا۔ کشمیری ایک آقا کی غلامی سے نکل کر دوسرے آقا کے پنجے میں جا پھنسیں گے۔ مسلمانوں کی

حالت ابتر ہوگی۔ اگر چہ مسلمانوں کے لئے بھارت کی ہندو حکومت اور ڈوگرہ راج بنیادی طور پر برابر ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ لوگ ایک کمزور مطلق العنان راجے سے روٹھ راٹھ کر کچھ سہولتیں اور رعایتیں وقتاً فوقتاً حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر بھارت کی سخت گیر آمریت سے اس قسم کی توقع رکھنا بے وقوفی ہوگی۔

سوال ——— پاکستان کی نسبت ہندوستان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ریاستوں کو عوامی حکومتیں بنا دیا گیا ہے۔ راجے مہاراجے صرف آئینی حکمران کی حیثیت میں رہ گئے ہیں۔ ہر جگہ انتظامی اختیارات عوام کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ راجے مہاراجوں کا دور اب خاتمہ کے قریب ہے۔ اس کے برعکس پاکستان میں ریاستی حکمران اب بھی انگریز کے زمانے کی طرح وسیع اختیارات سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان کی آمرانہ سختیوں کے تلے عوام چیخ اور پکار رہے ہیں ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ کشمیر ان کی آزادی کے تحفظ کے لئے ہندوستان کے ساتھ ہی الحاق کرے پاکستان کے ساتھ کوئی سروکار نہ رکھے۔

جواب ——— یہ کہہ کر کہ ہندوستانی ریاستوں کو عوامی حکومتیں بنا دیا گیا ہے۔ اور نظم و نسق کے تمام اختیارات عام لوگوں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ آپ اکثر ٹھوکر کھاتے ہیں۔ کیونکہ کانگرس چھوٹوں کو مہاراجوں کی جگہ برسر اقتدار کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عوام سچی جمہوریت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہمیں کانگرسی پریس کے جھوٹے پروپیگنڈے کا شکار نہیں بن جانا چاہیئے اور طوطے کی طرح رٹنا شروع نہیں کر دینا چاہیئے۔ کہ ریاستیں عوامی راج بن گئی ہیں ہمیں تنقیدی نگاہ اور پوری چھان بین سے جائزہ لینا چاہیئے کہ دور وسطیٰ کے ان غیر جمہوری اور مطلق العنانیت کے تاریک غاروں میں انسانی زندگی کے ساتھ کیا گذر رہی ہے۔

یہ سچ ہے کہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا وجود ملک کے جسم پر ایک رستا ہوا ناسور تھا۔ ان کا ہمسایہ صوبوں اور یونینوں میں جذب ہو جانا انتظامی اصلاحات نافذ کر کے ان کو منظم اور مستحکم کر دینا واقعی ہندوستانی حکومت کا ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔ لیکن یہ رائے قائم کرنا غلط ہے کہ اس ساری کارروائی میں اس کو جمہوری بنانے کے عزم کا بھی دخل ہے۔ جاگیردارانہ نظام کو ابھی ان ریاستوں میں چھیڑا بھی نہیں گیا۔ جاگیردارنہ کو آئینی حکمران کا درجہ دے کر اور زیادہ بااختیار بنا دیا گیا ہے۔ ان کو حکمرانی کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں پدری اخراجات کی حیثیت سے لاکھوں روپیہ عیش و عشرت کے لئے دے دیا گیا ہے۔ ریاستوں کا نیا استحکام اور بھلائی عوام کے لئے نہیں بلکہ راجگان کے لئے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوئی ہے۔ پچھلی دو صدیوں میں یہ جاگیردارانہ نظام انگریزی سامراج کی سنگینوں کے سائے تلے پھلتا پھولتا رہا ہے۔ ایک حقیر سی جاگیر کو بھی محض اس لئے چھیڑا

نہیں جا سکتا۔ کہ اس کی پشت پر قہار برطانوی شاہنشاہیت تھی۔ ایک اصلی جمہوری ہندوستان میں انگریزی سامراج کے ساتھ ہی یہ نظام ختم ہو جانا چاہیئے تھا۔ ان چھوٹے موٹے جاگیردارانہ اداروں کو ان انقلابی طاقتوں کے ہاتھوں مٹ جانا چاہیئے تھا۔ جن کو یہ صدیوں سے دبائے ہوئے تھے۔ مگر ان نئی اصلاحات سے کانگرسی لیڈروں نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے اور اس ساری کارروائی میں کچھ تو ہے۔ جس کی پردہ داری ہے۔ درحقیقت رجعت پسندوں کے ایک طبقہ کی حیثیت سے کانگرس قدامت پسند اور جاہلیت پرست قوتوں کو منظم کرکے ملک کے طول و عرض پر مسلط کر دینا چاہتی ہے۔ اور راجاؤں مہاراجاؤں کو دوبارہ سہارا دینا اس منصوبہ کا ایک جزو ہے۔

اب رہا ریاستوں میں نام نہاد عوامی حکومتوں کا قیام تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ وہ شخص اول درجے کا ڈھیٹ ہوگا۔ جو یہ کہے کہ ریاستی لوگ اس نظم و نسق کو پسند کرتے ہیں۔ کانگرس اور سٹیٹ پیپلز پارٹی ریاستوں میں کبھی باوقار ثابت نہیں ہوئیں۔ اگر چناؤ کا فیصلہ رائے عامہ پر چھوڑ دیا جائے تو اکثریت غیر کانگرسی عنصر کو اپنا نمائندہ منتخب کرے گی۔ مجبور ریاستی حکمرانوں نے مقامی کانگرسی لیڈروں کو جو اختیارات دے رکھے ہیں۔ وہ مرکزی کانگرس کے ایما پر ہیں۔ جیسا کہ برطانوی عہد میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ریاستوں میں رزیڈنٹ یا ایڈمنسٹریٹر مقرر کئے جاتے تھے۔ آج بھی ایسے ہی

ہندوستان کی وزارت امور ریاست اپنے چہیتے افراد کو ریاستی حکمرانوں پر مسلط کر رہی ہے۔ عوام کی آواز کی نہ پہلے شنوائی تھی اور نہ اب ہے ایک طرح سے موجودہ نظام ان کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ کانگرس پریس جو کسی زمانے میں مفاد عامہ کا ڈھنڈورہ پیٹتا رہا ہے۔ آجکل کانگرس وزارت کی غیر جمہوری پالیسی کی حمایت میں سادہ لوح اور پسماندہ عوام کی آنکھوں میں یہ کہہ کر دھول جھونک رہا ہے کہ وہ آزادی کی ساری نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

نہ صرف ریاستوں کی غیر کانگرسی سیاسی جماعتوں نے اوپر سے ٹھونسے گئے ان نئے حکمرانوں کے خلاف شدید احتجاج کیا ہے۔ بلکہ لاکھوں انسانوں کے اجتماع نے بھی کئی بار ان نام نہاد عوامی وزیروں کا کھنڈن کیا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا۔ یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کے خلاف عوام میں کافی ہیجان پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ راجستھان، پیپسو ایسی سٹیٹ یونینز میں خود کانگرسی جماعتوں نے مرکزی کانگرسی لیڈروں کے چہیتوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے مگر سٹیٹ منسٹری نے کچھ بھی پروا نہ کرتے ہوئے ان غیر عوامی عناصر کو سہارا دے رکھا ہے۔ اور یہ کٹھ پتلیاں جن کو اپنے لوگوں ہی نے دھتکار دیا ہے اور جن کی حمایت میں عوام کا ایک بھی طبقہ نہیں ہے۔ اب تک وزارتی ریاست کی کرسیوں پر براجمان ہیں کیا ہم (بشرطیکہ ہمارے ہوش و حواس قائم ہوں) اس کو ریاستوں میں جمہوری نظام کا قیام

کہہ سکتے ہیں؟

ریاستی ہند میں ان آئینی تبدیلیوں کے باوجود اندرونی نظم ونسق اور اقتصادیات زیادہ خراب اور درہم برہم ہو چکی ہیں۔ عوام دشمن اور فرعون مزاج حکومتوں میں کینہ پروری اور رشوت ستانی کی روک تھام مشکل ہے افلاس۔ فاقہ کشی۔ دھڑے بندی اور لاقانونیت کے دَور دورہ سے تنگ آکر لوگ پرانی مطلق العنانیت کے عہد کو یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں وہ قدرے بہتر وقت گذار چکے ہیں عوام ایسا محسوس کرنے میں حق بجانب ہیں ایک غریب آدمی شجرِ آزادی کو بھی سراہ سکتا ہے۔ کہ اس کا پھل میٹھا ہو۔ مگر اس نے جو پھل پایا اور چکھا ہے۔ وہ اس قدر کڑوا نکلا ہے کہ اس غریب نے اب ہر درخت کو شک اور نفرت سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔

حال ہی میں بندھیا چل پردیش یونین میں بدنظمی اور رشوت کا وہ بازار گرم ہوا کہ ریاستی امور کی وزارت کو تنگ ہو کر یہاں کی نام نہاد عوامی حکومت توڑنی پڑی۔ اور نظم ونسق براہِ راست اپنے ہاتھ میں لینا پڑا اگر وفاق کا سودائے خام نہ ہوتا تو اس وزارت کو اس واقعی امر کو تسلیم کرنا پڑتا۔ کہ باقی دوسری ریاستی یونین اور ریاستوں میں بھی حالات کچھ کم بُرے نہیں ہیں۔ عوام دوستی کا تقاضا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے۔ یہ کٹھ پتلی حکومتیں لازماً ختم کر دی جائیں

اب جہاں تک پاکستان میں ریاستی امور کا تعلق ہے۔ اس کے بارہ

میں بھی میرے یہی تاثرات ہیں میری یہ تھی اور اٹل رائے ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی دونوں مملکتوں میں ریاستوں کے وجود کو بہر صورت ملیامیٹ کر دیا جائے۔ راجگان اور نوابوں کا اب یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ آئینی حکمران کی حیثیت سے گدیوں پر براجمان رہیں۔ یہ ان کی روایات گھناؤنی اور غیر جمہوری ہیں۔ انکی تربیت اتنی غیر موافق ہے کہ یہ آزادی کے نئے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ماحول کے سانچے میں نہیں ڈھال سکتے۔ یہ رستے ہوئے ناسور ہیں یہ ننگِ انسانیت ہیں۔ ان کا وجود ہر حال میں مٹنا چاہیئے۔ اب بتایئے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کے بعد بھی کیا آپ اس بات پر زور دیں گے کہ ہندوستانی ریاستوں کے عوام کی حالت پاکستانی ریاستوں کے عوام سے بہتر ہے۔

ہم کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے تلخ تجربہ کی بنا پر یہ محسوس کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر ہم پر پلیبسائٹ عوامی حکومت زبردستی ٹھونسی نہ جاتی تو ہم لوگ یقیناً زیادہ مطمئن اور خوشحال ہوتے۔ یا دوسرے لفظوں میں ہم پر دکھوں اور مصیبتوں کے اتنے زیادہ پہاڑ نہ گرتے۔ وہاں آج کل تمام مخالف گروہوں کو تشدد سے دبا دیا گیا ہے۔ عام لوگ آزادانہ اپنے من کی بات نہیں کہہ سکتے۔ وہ اخبارات جو اس حکومت کے حاشیہ بردار نہیں بننا چاہتے سکماً بند کر دیئے گئے ہیں۔ ان افراد اور پارٹیوں کو۔ جو برسر اقتدار طبقہ پر جائز تنقید کرتے تھے۔ مقدموں اور سزاؤں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ تھوڑی بہت آزادی جو ہم نے انیس سال کی جدوجہد کے بعد پائی تھی اب

سختی کے ساتھ ہم سے چھین لی گئی ہے۔ وہاں کوئی اسمبلی نہیں ہے۔ کوئی آزاد پلیٹ فارم نظر نہیں آتا۔ کوئی آزاد آواز سنائی نہیں دیتی۔ اکثر کشمیری ان مظالم سے مجبور ہو کر کہتے ہیں کہ اگرچہ ہمیں ڈوگرہ راج سے فطری نفرت ہے۔ لیکن وہ پھر بھی اکتوبر ۱۹۴۷ء سے پہلے کے دور میں ان دنوں کی نسبت زیادہ آرام سے تھے۔ صرف وہ مٹھی بھر نیشنلسٹ خوش نظر آئیں گے۔ جو اس وقت حکومت کی مشینری پر قابض ہیں۔ ورنہ ایک بھی چہرہ آپ کو مطمئن اور خوش دکھائی نہیں دیگا۔ ہند اور پاکستان کی ریاستیں اپنے گرد و پیش کے جمہوری رجحانات کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتیں ان کو اپنے ہمسایہ لوگوں کا ضرور ساتھ دینا ہوگا۔ انقلاب کا سیل بے کراں ان کے ارد گرد پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ لہذا عوام کی بہتری کا تقاضا ہے کہ کانگرس اور مسلم لیگ اپنے پٹھوؤں کو جن سے عوام کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ محض جمہوریت کے نام پر ریاستی باشندوں پر انکی مرضی کے خلاف مسلط نہ کریں۔ یہ طریقہ کار تحریک آزادی کی نشو و نما کو روک دیگا۔ ان پڑھ اور سادہ لوح عوام ایسی تحریکوں سے دور ہٹتے جائیں گے اور آزاد خیال و غیر جانبدار لوگ ان سے کوئی ہمدردی نہیں رکھیں گے

سوال ——— حکومت ہند اپنے آئین کے تحت ایک آزاد جمہوریہ بن چکی ہے۔ اس آئین میں عوام کی شہری آزادی کے بنیادی حقوق کا بلا لحاظ مذہب و ملت تحفظ کیا گیا ہے۔ خاصکر اس آئین میں ایسی دفعات رکھی گئی ہیں جن کی رو سے کشمیری عوام کو مکمل خود مختاری

کے حقوق دیئے گئے ہیں۔ لہذا آپ کو اور آپ کے ہم نوا لوگوں کو یقین کرنا چاہیئے کہ کشمیر اگر مستقل طور پر ہندوستان کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرے تو اس کا مستقبل محفوظ اور شاندار ہوگا۔

جواب ——— یہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان نے اب اپنا آئین بھی تیار کر لیا ہے۔ مگر یہ آئین صرف برائے نام جمہوری ہے۔ دور جدید میں دو قسم کے پارلیمنٹری آئین رائج ہیں۔ ایک امریکی طرز کا ہے۔ دوسرا فرانسیسی نوعیت کا۔ ہندوستانی آئین کی بنیاد کچھ اس ڈھنگ سے دونوں پر رکھی گئی ہے کہ ہر دو میں جس قدر خوبیاں تھیں ان کو تو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مگر جتنی برائیاں تھیں ان کو اپنا لیا گیا ہے۔ غالباً صدر جمہوریہ ہند امریکی صدر کی نسبت زیادہ با اختیار ہوگا۔ لیکن اس کی تقرری براہ راست عوام کے چناؤ سے نہیں ہوگی جس طرح کہ امریکہ میں ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ ان لامحدود اختیارات کا مالک ہوگا۔ جو دور ماضی میں مطلق العنان بادشاہوں کو حاصل رہے ہیں۔ یہ صورت حال تمام وعدوں اور تحفظ کے اعلانات کی نفی کرتی ہے۔

جمہوریہ ہند کے اس نئے آئین میں نہ صرف ایکٹ ۱۹۳۵ء کی اس رسوائے عالم دفعہ نمبر ۹۳ کی صدائے بازگشت موجود ہے جسکی کانگرسی رہنما بارہا مذمت کر چکے ہیں۔ بلکہ اس آئین کی دوسری دفعات بھی صدر کو اتنے وسیع اختیارات مہیا کرتی ہیں کہ جتنے کبھی سامراجی دور کے کسی وائسرائے کو بھی نہیں ملے تھے۔

اس دستور نو کے مطابق ہندوستان ایک وفاقی یونین نہیں ہوگا۔ اسکی بجائے ایک ایسی حکومت ہوگا جس میں مکمل اختیارات صرف مرکز کو حاصل ہونگے۔ صوبائی گورنر چنے نہیں جائیں گے صرف صدران کو نامزد کیا کریگا مرکز نہ صرف صوبوں کے معاملات میں مداخلت کا مجاز ہوگا۔ بلکہ صوبائی حکومتوں کی تشکیل بھی اسکی منشاء سے ہوگی۔ تفرقہ اور انتشار کو روکنے کی آڑ لے کر کانگرسی لیڈروں نے آئین کی تیاری کے وقت ہر لحظہ یہی زور دیا کہ مرکز کو زیادہ سے زیادہ با اختیار کیا جائے۔ "مرکزیت" کا یہ ڈھونگ سراسر جمہوریت کش ہے۔

اس آئین کی بدولت ایک موقع باز اور حریص شخص آسانی سے آمر مطلق بنا سکتا ہے پس ہندوستان میں جمہوریت کا مستقبل کبھی روشن ثابت نہ ہوگا بلکہ ہمیشہ تاریک رہے گا۔

میں مانتا ہوں کہ اس آئین میں کشمیر کے واسطے خاص رعائتیں رکھی گئی ہیں لیکن یہ صرف عبوری دور کے خاتمہ تک ہونگی اس کے ساتھ ہی صدر جمہوریہ پورے طور پر اس امر کا مجاز کر دیا گیا ہے کہ وہ کشمیر کے معاملہ میں جو چاہے خود بھی کارروائی کر سکتا ہے۔ اور پارلیمنٹ میں بھی اس کے متعلق اپنی تجویز پیش کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں آئین کی یہ دفعات شاستروں کے مقدس شلوک تو نہیں ہیں کہ ان میں کوئی ردو بدل نا ممکن ہو۔ اگر کشمیر نے مستقل طور پر ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ تو پارلیمنٹ جس میں ہندو ممبروں کی زیادہ گنتی ہوگی۔

ضروران دفعات میں ترمیم کرکے مرکزی حکومت کو ایسے اختیارات سونپ دیگی جن سے کشمیر پر پورا قبضہ جمالیا جائے گا۔ ہندوستان کے ہندوؤں کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ کشمیری مسلمان کوئی من مانی کریں۔ اونچے طبقہ کے ہندوؤں کا اقتدار اور مفاد مسلمانوں کی خوشحالی اور ترقی کو قربان کرکے محفوظ کیا جائے گا غیر مطمئن مسلم عوام کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ اور ان پر پاکستان کے ساتھ ساز باز کرنے کے اکثر الزامات لگا کریگے۔ جس سے صدر جمہوریہ ہند کے لئے وجہ جواز موجود ہوگی۔ کہ وہ کشمیر کی مقامی حکومت کو معطل کرکے ہنگامی قانون نافذ کرے۔

سوال ——— آپ یہ مانتے ہیں کہ پاکستان کے حالات اپنے اعتدال پر نہیں ہیں۔ کچھ سالوں کے بعد اس ملک کی اقلیت اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرے گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا۔ کہ جب تک پاکستان میں حالات پر امن نہیں ہو جاتے کشمیر میں موجودہ صورت حال کو برقرار رکھا جائے؟

جواب ——— جب تک دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات دوستانہ نہیں ہوتے۔ ان کے عوام امن وسلامتی کے دور کا منہ بھی نہیں دیکھ سکتے اور ان کا انحصار صرف مسئلہ کشمیر کے جمہوری اور منصفانہ حل پر ہے اگر کشمیر کا جھگڑا بیچ میں نہ ہوتا تو یقینی امر تھا کہ دونوں ممالک کے باہمی حالات آزادی کے ان تین سال کے دوران میں بہت حد تک بہتر ہو گئے

ہوتے اور تقسیم نے جو کاری زخم لگائے تھے وہ بھی مندمل ہو چکے ہوتے زیادہ اختلافات اور پیچیدگیاں دونوں حکومتوں میں صرف کشمیر کی گتھی نے ہی پیدا کر رکھی ہیں۔ یہ حقیقت تسلیم کرنے میں کوئی انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ بنگال کے اس نئے المیہ کا سبب بھی کشمیر کا یہی جھگڑا ہے۔ جس سے سنہ ۱۹۵۰ء کے شروع میں قریباً تیس لاکھ انسان اپنے آباؤ اجداد کے گھروں سے مار پیٹ کر نکالے گئے۔ لہٰذا کشمیر میں موجودہ صورت کو برقرار رکھنا حالات کو سدھار نہیں سکتا۔ بلکہ یہ اور خراب ہوتے جائیں گے۔ اور ان دونوں بڑی حکومتوں میں امن و سلامتی کی کوئی امید نہیں ہوگی۔ آپ کو یہ امر واقعی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ اس وقت ہندوستان اور پاکستان اپنے بجٹ کا کافی حصہ جو کروڑوں روپوں کے لگ بھگ ہے۔ اسی مسئلہ کشمیر کے باعث فوج پر خرچ کر رہے ہیں۔ دونوں ملکوں میں قومی ترقی و تعمیر کے منصوبے معطل پڑے ہیں اگر بھاری بھرکم اخراجات کا یہ بوجھ قومی آمدن پر اسی طرح پڑا رہا۔ تو ان ملکوں کی ترقی اور نشوونما کا رک جانا لازمی امر ہوگا۔ پس مسئلہ کشمیر کی مزید طوالت برعظیم کے عوام کی تباہی و بربادی کا باعث ہوگی۔

خود غرض حلقہ آپ کی تجویز سے تو خوش ہوگا۔ یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔ کہ مسئلہ کشمیر کو تب تک چھیڑا ہی نہ جائے۔ جبتک کہ دونوں مملکتوں کے حالات بحال نہیں ہو جاتے۔ حالانکہ حالات تبھی بہتر ہو سکتے ہیں۔ کہ پہلے کشمیر کی گتھی کو دوستانہ طریقے سے سلجھایا جائے۔ یہی اس خود غرض حلقہ کو

اپنے عزائم پورا کرنے کا موقع ہی نہ دینا چاہیئے اور یہ صرف اس جھگڑے کو پُرامن طریقہ سے ختم کر کے ہی ہو سکتا ہے۔

سوال ——— فرض کیجئے کہ کشمیری لوگ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے موقع پر ہندوستان کے حق میں اپنا ووٹ ڈالتے ہیں لیکن پاکستانی پھر بھی یہ اصرار کرینگے کہ وادی میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ لہٰذا انہیں ملنی چاہیئے۔ اس صورت میں آپ کا موقف کیا ہوگا؟

جواب ——— میں یہ خیال بھی نہیں کر سکتا۔ کہ پاکستانی اتنے ہٹ دھرم اور احمق ہیں۔ کہ جب آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری میں کشمیری عوام اپنے الحاق کا فیصلہ ہندوستان کے حق میں کر چکے ہونگے تو پھر بھی یہ کشمیر کا مطالبہ کریں گے اور اگر واقعی پاکستانیوں نے اس فیصلہ کے بعد کشمیر کا مطالبہ کیا تو میں ان کو غاصب اور جارح قرار دونگا۔ اور جو بھی وسائل میرے پاس موجود ہونگے۔ ان کے ذریعہ میں ان سے جنگ کرونگا۔ کیونکہ یہ اس وقت ہمارے ملک کے فی الحقیقت دشمن ہونگے۔ ایک دفعہ عوام کی مرضی غیر مبہم اور واضح الفاظ میں سامنے آجائے۔ پھر ایک جمہوریت پرست کی راہِ عمل بالکل صاف ہوگی۔

———

دُوسرا باب

سیاسی آزادی

سوال ——— ذرا مجھے سمجھا دیجئے کہ آپ نظریہ آزاد کشمیر کو کس زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ اس سے مجھے مسئلہ کشمیر کے متعلق آپ کے تصوّرات کو بھی سمجھنے میں پوری مدد ملیگی۔ آپ اس بات کی پُرزور سفارش کرتے ہیں کہ کشمیر کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی صاف الفاظ میں ڈراتے بھی ہیں کہ اس الحاق سے ریاستی عوام مکمل آزادی سے محروم رہیں گے۔ میں آج تک یہی سمجھتا تھا کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے مبارک دن سے جب کہ انگریز ہماری آزادی کا اعلان کرکے برِعظیم سے بوریا بستر باندھ کر چلتا بنا۔ ہندوستان اور پاکستان آزاد قوموں کی صف میں کھڑے ہیں۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ اور ریاست کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرکے بھی اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کرنی ہوگی۔ ذرا اس آزادی کی تشریح کیجئے تاکہ میں سوچ بچار کے بعد کسی ایک

ملک کے ساتھ الحاق کی حمایت کا دم بھر سکوں۔

جواب ——— یہ خیال کرنا کم عقلی کی دلیل ہے کہ برطانوی سامراج کے خاتمہ کے بعد برِعظیم ہند کے عوام سچ مچ آزاد ہوگئے ہیں۔ یہ صرف آپ کا ہی خیال نہیں، بلکہ سب یہی کہتے سنے گئے ہیں۔ صرف چند ایک اشخاص مستثنیات میں سے ہیں۔ برطانوی دورِ حکومت میں کانگرسی قوم پرستوں نے بڑی عیاری سے اس نظریہ کی وسیع اشاعت کی۔ تاکہ عوام اس خوش اُمیدی پر کہ وہ پورن سوراج حاصل کرسکیں گے۔ غیر ملکی حکمران کو باہر نکالنے کے لئے جوش سے ڈٹ جائیں۔ کانگرسی لیڈر عوام کو یہ سبز باغ دکھاتے تھے کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد ملک میں دُودھ اور شہد کی نہریں بہنی شروع ہو جائینگی۔ ہر شخص فراغت سے اپنا پیٹ بھر سکے گا اور ہمیشہ مسرور رہیگا۔ ملک میں کسی چیز کی تنگی نہیں ہوگی وغیرہ وغیرہ اکثر یہ کہا جاتا تھا کہ اس وقت ہم پر جتنی مصیبتیں چھائی ہوئی ہیں، یہ سب برطانوی حکمرانوں کی وجہ سے ہیں۔ جونہی کہ یہ یہاں سے چلے جائیں گے ان مصیبتوں کا اُسی وقت خاتمہ ہو جائے گا۔ مگر آزادی کے یہ تین سال ثابت کرچکے ہیں کہ یہ پروپیگنڈا ایکسربے بُنیاد اور جھوٹا تھا۔ عوام کی حالتِ زار میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ بلکہ یہ حالت اور بھی ابتر ہوگئی ہے۔

ہندوستان میں برطانوی سامراج کا خاتمہ بذاتِ خود ایک شاندار کرشمہ تھا اور اس میں قومی تعمیر و استحکام کے بلند امکانات موجود تھے۔ اس لئے کوئی انکار بھی نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ آزادی کے پہلے دن سے ہی حالات

خراب ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اور ملک میں ایسا عنصر موجود تھا۔ جو چاہتا تھا کہ انگریز کو اتنی جلدی یہاں سے نہیں جانا چاہیئے پھر بھی یہ آزادی عوام اور خواص کی نجات کی ضامن ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اس پابند اور محدود آزادی کا گہرا جائزہ لیں تو ہم کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ اس آزادی کے بعد بھی جزویات رہ گئی ہیں۔ جن کو ہمیں حاصل کرنا پڑیگا تب کہیں یہ آزادی پورن سوراج کہلا سکتی ہے۔ آزادی اور قومی نجات میں فرق ہے۔ عوام کی صحیح نجات کا یہ مطلب ہے کہ ان پر سے ہر قسم کی پابندی ہٹالی جائے۔ کسی شخص کے دائرہ حیات میں کسی بیرونی مداخلت کا ہاتھ نہیں ہونا چاہیئے۔ عوام کو اُس وقت پورا آزاد سمجھا جائے گا۔ جس وقت یہ سیاسی۔ سماجی۔ تمدنی اور اقتصادی اعتبار سے آزاد ہوں گے۔ انگریز کے جانے کے بعد بھی ہم ابھی تک اس آزادی کو ترس رہے ہیں۔ جو کچھ عملی صورت میں ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انگریز آقا چلا گیا اور اس کی جگہ پاکستان میں لیگی آقا اور ہندوستان میں کانگرسی آقا دندنا رہا ہے۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے بیچارے اب بھی انہی ناگوار پابندیوں کے جُوئے تلے دبے ہوئے ہیں۔ بھیانک، غیر جمہوری اور ظالمانہ قانون کی سختیاں بعینہٖ انگریزی راج کی طرح سہہ رہے ہیں۔ بلکہ یہ قوانین زیادہ سنگین کر دیئے گئے ہیں۔ انگریز کے ملک کی اپنی کچھ جمہوری روایات و اصول ہیں چنانچہ وہ جب ہم پر حکومت کرنے کے لئے وہاں سے آتے تو ان کے جذبے کے تحت میں ان روایات و اصول کا ضرور دخل ہوتا تھا۔ اور اپنے ظالمانہ طرز عمل کے باوجود ہندوستانی

عوام کے ساتھ برتاؤ کرتے اور نظم و نسق چلاتے وقت وہ اپنی ان روایات کو کلیتاً نہیں بھولتے تھے۔ لیکن ہمارے ہندوستانی آقاؤں کے پاس ایسی کوئی اعلیٰ روایت نہیں ہے۔ ایکا ایکی حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ آگئی ہے لہٰذا وہ اندھیر گردی اور ظالمانہ طریقے سے حکومت کر رہے ہیں۔ دو وجوہ ایسی ہیں کہ جنھوں نے ان نئے فرماں رواؤں کے غیر جمہوری ہتھکنڈوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ پہلی یہ خوش فہمی کہ آزادی کی جنگ لڑنے والے یہ شوربیر کبھی اپنے عوام کی آزادی کے درپے نہیں ہوں گے۔ دوسری یہ کہ فریب خوردہ لوگ اور خریدا ہوا پریس ہمیشہ ان کے گن گا کر ان کی عیب کاریاں چھپانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ان حالات میں شہری آزادی ایک خواب پریشاں بن چکی ہے۔ ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ اس کے لئے ہم پھر سربکف ہو کر لڑیں۔

آج کل "ہم نے آزادی حاصل کر لی ہے" کہتے رہنا ایک رواج سا بن گیا ہے۔ وہ لوگ بھی جو کانگرسی ارباب حل و عقد پر کوئی نکتہ چینی کرنے کا زعم رکھتے ہیں۔ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ ملک نے سیاسی آزادی حاصل کر لی ہے۔ اب صرف ہمیں اقتصادی نجات کے لئے لڑنا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ابھی کسی اعتبار سے بھی آزاد نہیں ہوئے ہیں۔ ہم ابھی اُسی قسم کی سیاسی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ یہ زنجیریں ہندوستانی ساخت کی ہیں اور پہلی

زنجیریں لندن کی بنی ہوئی تھیں۔

کسی سماج کے حالات کا تجزیہ کرتے وقت ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ساری اہمیت صرف فرد کی ذات کو دی جا سکتی ہے۔ اور اجتماعی نشوونما کا معیار بھی اسی اہمیت کو قرار دینا چاہیئے۔ آدمی نے سماج اس لئے بنائی کہ آپس میں مل کر ترقی اور آسودگی حاصل کی جا سکے۔ اکیلا وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کو فطرت کی مخالف قوتوں سے نبرد آزما ہونے اور اُن سے بچنے کے لئے دوسروں کا تعاون حاصل کرنا پڑا۔ انسان کی یہ رضاکارانہ معاہدت جو سماج کی نیو ہے۔ بنیادی نصب العین اور اصلی مقصد کے تقاضوں کے برعکس اس صورت میں بے کار ہے۔ جب ایک فرد کی حالت سماج میں بدتر ہو رہی ہو۔ خود مختاری کا حق فرد کو حاصل ہوتا ہے سماج کو نہیں۔ وہ پیمانہ جس سے اجتماعی ترقی کا معیار معلوم کیا جا سکتا ہے صرف فرد کی ترقی ہے۔ اِس معیار پر پرکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ عظیم ہندوستان کے عوام ہر گز آسودہ حال اور ترقی یافتہ نہیں ہیں کیونکہ یہاں شخصی آزادی ہر لحاظ سے نہایت پست درجہ پر پہنچ چکی ہے

سوال ——— سیاسی آزادی سے آپ کا کیا مقصود ہے اور اس کا اطلاق آپ آزاد کشمیر پر کس طرح کریں گے؟

جواب ——— سیاسی اعتبار سے آزاد کشمیر میں ساری جنتا کو پوری شہری آزادی حاصل ہوگی۔ شہری آزادی کی مبادیات یہ

ہیں ——— شخصی آزادی، اظہار رائے کی آزادی۔ میل ملاپ کی آزادی، اور اسمبلی کی آزادی۔

بشرطیکہ دوسرے افراد کی آزادی خطرے میں نہ ہو۔ کسی فرد کی آزادی پر احتساب نہیں ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں ایک فرد شہری آزادی کے اپنے حقوق سے پوری طرح مستفید ہو سکیگا۔ لیکن اس کو دوسرے افراد کی آزادی پر چھاپہ مارنے کا حق نہیں ہوگا۔ کسی قسم کی رائے کے اظہار پر خواہ یہ تقریری ہو یا تحریری، برسرِ عام ہو یا خلوت میں کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ ہر قسم کی جماعت بندی۔ عقائد اور خیالات خواہ کسی فرقے یا طبقے کے ہوں۔ اشتراکی ہوں یا فرقہ وار قوم پرستانہ ہوں یا مذہبی، سُلجھے ہوئے طریقہ اور دانش مندی کے ساتھ پھیلانے کی پوری آزادی ہوگی۔ پریس اور پلیٹ فارم مکمل آزاد ہونگے۔ یہ شہری آزادی کسی صورت بھی محدود نہیں کی جائے گی صرف تشدد کے پرچار اور استعمال کی اجازت کسی بھی صورت میں کسی بھی فرد یا جماعت کو نہیں دی جائیگی۔ سوائے اس ایک پابندی کے تمام جماعتوں اور افراد کو خواہ وہ گورنمنٹ پر کتنی بھی کڑی نکتہ چینی کیوں نہ کریں اپنے سیاسی۔ سماجی اور مذہبی نظریات کی نشر و اشاعت کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ علاوہ اس کے ملک کی ہر چھوٹی بڑی اقلیت کو خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی۔ سماجی ہو یا کوئی اور، حکومت آزادی کے حقوق سے پوری طرح متمتع ہونے کا موقع دیگی۔ اور اس کے مفادات کی

حفاظت کریگی۔ ایسا کوئی بھی نظم و نسق جو اپنے نکتہ چینوں کو بغیر مقدمہ چلائے جیل بھیج دیتا ہو خاص کر اس وقت جبکہ قومی تحفظ کے پیش نظر کوئی ہنگامی صورتِ حال بھی نہ ہو جیسا کہ جنگ کے دوران ہوتا ہے۔ ایک لحظہ کے لئے بھی برداشت نہیں کیا جائے گا۔ وہ کالے قوانین جو عوام کو شہری آزادی سے محروم کرتے ہیں کبھی دستور نامہ میں مندرج رہنے نہیں دیئے جائینگے۔

اس آزاد کشمیر کے جو ہمارے تصور میں ہے آئین میں مندرجہ ذیل انسانی حقوق اور آزادی کے مبادیات رکھے جائیں گے۔

ا۔ شخصی تحفظ۔

ب۔ ہر قسم کی غلامی اور زبردستی سے نجات دلانا۔

ج۔ ہر قسم کی غیر منصفانہ گرفتاری۔ نظر بندی اور جلاوطنی سے بچانا۔

د۔ اظہارِ رائے کی آزادی۔

س۔ جماعت بندی اور میل ملاپ کی آزادی۔

ش۔ خیال۔ ضمیر اور مذہب کی آزادی۔

ص۔ ٹریڈ یونینز میں شمولیت کی آزادی۔

ط۔ ازدواجی زندگی کے حقوق کی حفاظت۔

ع۔ سفر و حضر کی آزادی۔

ف۔ نجی۔ خانگی۔ ازدواجی اور خط و کتابت میں ناجائز مداخلت سے مخلصی۔

اپنے افکار و نظریات کی اس ملکی اجازت سے عوام اپنے مطلب کی حکومت بناتے اور اس میں حسب پسند نمائندے بھیجنے کے لئے پورے آزاد ہونگے

ہر بالغ مرد اور عورت کو بشرطیکہ اُسے کوئی دماغی عارضہ نہ ہو بلا تمیز اپنے سماجی یا مالی معیار کے رائے دینے کا حق حاصل ہوگا۔ یہ رائے دہندگان ہر میعاد کے خاتمہ پر اسمبلی کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرینگے۔ اور اسمبلی اس کے بدلے حکومت کی تشکیل کرے گی۔ جو کہ ملکی نظام کو برقرار رکھے گی۔ حکومت بن جانے کے بعد اور دوسرے الیکشن تک جیسا کہ برائے نام جمہوری ملکوں میں آج کل ہو رہا ہے۔ رائے دہندگان سست ہو کر بیٹھے نہیں رہیں گے۔ اور نہ ہی ایک مرعوب تماشائی کی حیثیت سے دُور سے حکومت کے کاروبار کو دیکھتے رہیں گے۔ یہ لوگ چوکنے ہو کر اسمبلی اور حکومت کی کارگذاریوں کا جائزہ لیا کریں گے۔ اس طرح حکمران پارٹی کو اس تعمیری نکتہ چینی سے جو کہ نجی اداروں اور پبلک اجتماعوں پر کی جائیگی کافی مدد ملیگی۔ ایک رائے دہندہ اپنے حق خود مختاری کو دائمی طور پر استعمال کر سکیگا۔ اور اس حق سے اس کو پارلیمنٹ بھی محروم نہیں کر سکے گی۔ اگر پارلیمنٹ کے کسی ممبر کا برتاؤ اچھا ثابت نہ ہوا اور اس ممبر نے حلقہ انتخاب کے اغراض و مقاصد سے پہلو تہی کی تو ووٹروں کا حق ہوگا کہ وہ اس نااہل ممبر کو واپس بلا لیں اور اس کی جگہ کسی دوسرے ممبر کو چُن لیں۔ اس طرح ہماری جمہوریت ایسی زندہ۔ فعّال اور سرگرم کار ہوگی کہ عام آدمی کے لئے اس میں کافی دلچسپی اور کشش ہوگی۔ یہ جمہوریت ہمیشہ فرد کے مفاد کا تحفظ کریگی اور یہ ایسا سیاسی نظام ہوگا جس میں تمام لوگ ملک کے انتظامی امور میں برابر کا حصہ لے سکیں گے۔ عوام کی ایسی دیہی، شہری اور حلقہ جاتی کمیٹیاں

بنائی جائینگی جو کہ باقاعدہ بڑی ہوشیاری سے ملکی معاملات پر یکجا ہو کے تبادلۂ خیالات کیا کریں گی اور سیاسی ڈھانچے کی ایک ایسی عمارت ہوگی جس کی بنیادیں ابتدائی کمیٹیوں یعنی تحصیل کمیٹی۔ ضلع کمیٹی کے اینٹ گارے پر استوار کی جائینگی۔ یہ ساری تنظیمیں ہر وقت سرگرم کار رہا کریں گی۔ اسمبلی ہی صرف انتظامی اور مشاورتی ادارہ نہ ہوگا۔ بلکہ عوام کے یہ ماتحت ادارے بھی اپنے حلقۂ اثر اور قومی معاملات میں مداخلت کے مجاز ہونگے۔ اسمبلی کا استحکام اور انتشار صرف اپنی ان بنیادوں کی مضبوطی اور کمزوری پر منحصر ہوگا۔ مختصراً یہ کہ ہماری حکومت عوام کی بنائی ہوئی ایک جمہوریہ ہوگی۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ سرپرستی اور نگرانی کا یہ عیّارانہ دور ختم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں ڈکٹیٹرشپ کا انتہائی امکان پوشیدہ ہوتا ہے۔ ہماری جمہوریت میں عوام کے نمائندگان ہی نہیں بلکہ عوام خود براہِ راست حکومت چلائیں گے۔ موجودہ جمہوریت کے تو موقع باز چودھریوں اور سرپرستوں کے ہاتھوں میں آلہ کار بن کر ایک آمریت کی شکل اختیار کر لینے کا ہر لحظہ خدشہ رہے گا۔

سوال ——— کیا آپ کو اس عندیہ سے اتفاق نہیں ہے کہ ایسے ملکوں میں جو ہر لحاظ سے پس ماندہ ہوں اور جہاں مذہب، عقیدے اور فرقوں کے کئی اختلاف ہوں، ڈکٹیٹرشپ موزوں نظامِ حکومت ہو سکتا ہے۔ تاکہ سخت گیر ڈکٹیٹر ان جاہل عوام کی اصلاح کر کے ان کو جمہوریت کے قابل بنا سکے؟ پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کے بارے میں جس

کا کمیونسٹ پرچار کرتے ہیں۔ آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا روس میں موجودہ مطلق العنانیت کو آپ پسند کرتے ہیں؟

جواب ——— میں ڈکٹیٹرشپ کا (خواہ وہ کسی شکل میں کیوں نہ ہو سخت مخالف ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے وطن کشمیر کو اس لعنت سے بچانے کے لئے ایسی جمہوریت کا خواہش مند ہوں۔ جس کی اساس باشعور۔ ذہین۔ تربیت یافتہ اور بیدار مغز انتخابات پر ہو۔ جس میں عوام اپنے نمائندگان کا جو خواہ مجلس قانون ساز میں ہوں یا انتظامی اداروں میں، پارلیمنٹ کے ممبر ہوں یا حکومت کے کارندے پورا محاسبہ کر سکیں گے۔ یہ محاسبہ اور نگرانی محض وقتی نہیں بلکہ روزمرّہ ہوگی ہماری جمہوریت میں ڈکٹیٹرشپ کے ظہور کا امکان سختی سے ختم کر دیا جائیگا ڈکٹیٹرشپ خواہ ایک فرد کی ہو یا جماعت کی ہر حالت میں عوام دشمن ہے۔ کیونکہ یہ اپنے ہاتھ میں دائمی طور پر اختیاراتِ کلّی لے کر عوام کی صحیح ترجمانی کو کچل دیتی ہے۔

ایسی بہت سی باتیں ہیں جو کہ ہم روسی تجربہ سے سیکھ سکتے ہیں۔ ہم سوویٹ اصلاحات سے اپنی معاشرت کی اصلاح کے لئے بہت سی چیزیں حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہر انسانی جدوجہد اور تجربات کا خاصہ ہے۔ روسی کمیونزم میں بھی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ سوویٹ روس میں سب سے بڑی کمزوری اس کی موجودہ ڈکٹیٹرانہ اور مطلق العنان حکمت عملی ہے سُرخ انقلاب سے پہلے اور بعد برسرِ اقتدار پارٹی کے اراکین

نے یہی استدلال کیا تھا۔ کہ چونکہ ملک بہت پس ماندہ حالت میں ہے لہٰذا رجعت پسند اور انقلاب دشمن قوتوں کا مقابلہ کرنے اور عوام کو اِن سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ آمرانہ حکومت قائم کی جائے تاکہ عوام کی راہنمائی کی جاسکے۔ لیکن عوام کا معیارِ زندگی، جس کے انقلابی لیڈر دعویدار تھے، وہیں کا وہیں رہا۔ اس میں ذرا بھر بھی ترقی نہیں ہوئی۔ ہر فرد اور ہر جماعت کو اظہار رائے۔ جماعت بندی اور تحریر و تقریر کی نعمتِ آزادی سے اِن کی خواہشوں اور روایات کو نظر انداز کرکے یکسر محروم کر دیا گیا ہے۔ صرف انقلابی کارکن ہی کلیدی عہدوں اور ذمہ داریوں کے اہل سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک اور استدلال کیا گیا تھا کہ اس نئے نظام میں سیاسی بیداری اور تعلیم و تربیت عام ہو جانے اور معیار زندگی بڑھ جانے کے ساتھ ہی ملک ایسے نقطۂ اس پر پہنچ جائیگا۔ جہاں کسی حکومت کی ضرورت ہی نہیں رہیگی۔ عوام از خود اپنے تدبّر سے ہی اپنی راہنمائی کر لیں گے۔ اور نظامِ حکومت رفتہ رفتہ تحلیل ہو جائیگا۔ دُنیا کا خوش فہم اور ہمدرد طبقہ مانتا ہے کہ یہ استدلال شاید دُرست ثابت ہوگا۔ لیکن اس قسم کے اعلانات کو تیس برس بھی ہو چکے ہیں اور یہ مُدت اِتنی کافی لمبی ہے کہ اس میں دعووں پر واقعی عمل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس کیا ہوا ہے؟ صرف یہ کہ وہاں کی ڈکٹیٹرشپ اور زیادہ مضبوط اور سخت گیر ہو چکی ہے۔ اور اس کے خاتمہ کا ابھی کسی مستقبل قریب یا بعید میں کوئی

امکان نظر نہیں آتا۔ ایک ہی پارٹی کی مطلق العنانیت روسی سیاسی زندگی کا ایک مستقل جزو بن گئی ہے۔ مخالف نظریات رکھنے والی دوسری جماعتوں کو زندہ رہنے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ یہ باور کرنا سراسر بے وقوفی ہے کہ اس اشتراکی خطہ میں حزبِ مخالف کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہاں انسانی ذہن کو ہیبت ناک آہنی شکنجے میں جکڑ کر رکھا ہوا ہے۔ اور عوام حکمران طبقہ کے سامنے اپنے اختلافات کے اظہار کی جرأت کھو چکے ہیں۔

روسی سوویٹ یونین میں اس مفروضہ تحلیل کے کوئی آثار نظر نہیں آتے ہیں۔ یہ تو پہلے سے بھی زیادہ مستحکم اور آمرانہ بن چکی ہے۔ اکتوبر کے مشہور انقلاب اور اس کے نتائج کا جائزہ لیتے وقت ہمیں ان خطرناک گڑھوں کا بھی دھیان رکھنا چاہیئے۔ جو بڑی خوشنما اور دلآویز تہ سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ یہ سطحی دلکشی ہمیشہ خام کار۔ رومان پسند۔ اور جذباتی نوجوانوں کا دل موہ لیتی ہے۔ ہمارے ملک کی یہ سرزمین جہاں اقتصادی اور تمدنی بدحالی کا دور دورہ ہے آمریت کے نظریہ کی ترویج کے لئے بڑی سازگار ہے۔ یہاں تو پہلے ہی کانگرسی راہنما گلا پھاڑ پھاڑ کر "ایک جماعت، ایک جھنڈا اور ایک لیڈر" کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اِس قسم کے عوام دُشمن عزائم کا ہر جمہوریت پرست اور محبِّ آزادی کا فرض ہے کہ ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ اگر یہ زہریلے خیالات ایک دفعہ ہمارے ہاں جڑ پکڑ گئے۔ تو اس

بدنصیب سرزمین کے لئے سچی آزادی حاصل کرنا ناممکن ہو جائے گا کشمیر کو اس صورت میں نہایت ہولناک حالات سے گذرنا پڑے گا۔ جب تک ایک بار پھر یہاں خون کی ندیاں نہ بہہ اُٹھیں گی۔ اس کی آزادی کے لئے راہ ہموار نہ ہوگی۔ ہمیں حصولِ آزادی کے لئے جمہوریت اور جمہوری اُصول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس مقصد کے پیشِ نظر ہمیں ہر قیمت پر اپنے ملک سے آمریت اور مطلق العنانیت کا نام و نشان مٹانا ہوگا۔ غرض پرست۔ موقع باز۔ اور ابن الوقت ٹائپ کے لوگ محض اِس واسطے ڈکٹیٹرشپ کی حمایت کرتے ہیں کہ اس طرح ان کی ذاتی اغراض بڑی آسانی سے پوری ہوتی رہتی ہیں۔ آزادی کا راستہ اگرچہ بہت کٹھن اور لمبا ہوتا ہے لیکن منزلِ مقصود کی طرف یہی راہنمائی کرتا ہے۔ اِس کو ہمیں کسی حالت میں بھی ترک نہیں کرنا چاہیئے۔

سوال ——— اِس آزاد کشمیر میں ڈوگرہ حکمران کا مستقبل کیا ہوگا؟

جواب ——— تین وجوہ کی بنا پر ڈوگرہ حکمران کا کشمیر میں ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہونا چاہیئے۔ پہلی یہ کہ کشمیریوں نے ڈوگرہ راج کو ہمیشہ اجنبی سمجھا ہے اور اس طرح ڈوگرے بھی کشمیریوں کو غیر سمجھتے رہے یہ راجا اور پرجا کبھی ایک دوسرے سے مانوس نہیں ہو سکے۔ ڈوگرہ راج کشمیریوں کے قومی وقار و عظمت پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ جس کو وہ اپنی اوّلین فرصت میں صاف کر کے رکھ دینگے۔

دوسری یہ کہ ڈوگرہ دربار خاص کر موجودہ مہاراجے کا اعمال نامہ شرمناک حد تک گندہ ہے۔ موجودہ مسئلہ الحاق میں اس نے جو عیارانہ اور مکارانہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ اس نے ذرا سی بھی گنجائش نہیں رہنے دی کہ اس کو بحال رکھنے کے سوال پر غور ہو سکے۔

تیسری یہ کہ آزاد کشمیر ایک ایسی مکمل آزاد حکومت ہوگی۔ جس کی بنیاد جمہوری اشتراک و مشاورت پر رکھی جائیگی۔ لہٰذا یہ ایسے خاندان کے کسی بھی راجے کی سرداری کو قبول نہیں کریگی۔ جس کی روایات اور کردار ہمیشہ جمہوریت دشمن رہی ہیں۔ ہم پہلے ہی ڈوگرہ حکمرانوں کی سازشوں اور چالبازیوں سے کافی تنگ آچکے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہم اپنی آزاد حکومت کی ترقی و خوشحالی کے راستے میں اِن پھسلتی ہوئی چٹانوں کو ہرگز حائل نہیں ہونے دینگے۔

سوال ——— آزاد کشمیر کے اس سیاسی نظام میں ہندوؤں، اور دوسری اقلیتوں کا مرتبہ کیا ہوگا؟ مہاراجہ کو گدی سے اُتار دینے کے بعد فرقہ وار فسادات کے دوران میں ان کا رکھوالا کون ہوگا۔ کیوں کہ اس امر کا کوئی فوری امکان نہیں ہے کہ جمہوری آئین کے نفاذ کے ساتھ ہی عوام الناس جن میں مسلمان بھی ہوں گے، ایکا ایکی جمہوری اور دور اندیشانہ طرزِ عمل اختیار کر لینگے۔ یہ آئینِ نو جس کا تصور آپ کے ذہن میں ہے لازمی طور پر تمام اختیارات کو عوام دوسرے لفظوں میں مسلم اکثریت کے ہاتھوں میں منتقل کر دے گا۔ آپ کو علم ہے کہ سردست فرقہ وارانہ ذہنیت

کے کارن فضا مسموم ہے۔ اس نازک وقت میں اِس نئے نظام کا یہ مطلب ہوگا کہ ہندوؤں کی محدود سی اقلیت کو مسلم اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ ہندوؤں کو پُورا احساس ہے کہ اقتدار ریاستی مسلمانوں کو ضرور سونپ دینا چاہیئے۔ وہ صرف حفظِ ماتقدم کے خیال سے ہندوستان سے الحاق کے لئے زور دیتے ہیں کیونکہ اس صورت میں مرکزی ہندو حکومت کشمیری مسلمانوں کو مقامی ہندوؤں پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کرنے دینگے۔ آپ نے اپنے وزنی دلائل اور معقول منطق سے تو یہ ثابت کر دیا ہے کہ ملکی عوام کے مفاد کا تقاضا ہے کہ کشمیر پاکستان سے الحاق کرے اور ہندوستان سے اپنا ناطہ توڑ لے۔ لیکن کیا آپ اِس بات کو لائقِ غور نہیں سمجھتے کہ الحاق پاکستان کی صورت میں سب سے پہلے آزاد کشمیر کی ہندو اقلیت کو اپنے مفاد کے تحفّظ کا پورا یقین ہونا چاہیئے؟

جواب ——— واقعی یہ یقین کر لینا نادانی ہے کہ حکومت آزاد کشمیر کے قیام اور اُس میں جمہوری آئین کے نفاذ کے ساتھ ہی تمام لوگ اپنے فرقہ وارانہ رجحانات کو خیرباد کہہ کے پکے جمہوریت نواز اور اقلیت پرست دانش وروں کا سا رویّہ اختیار کر لینگے۔ ایسا فرض کرنا فی الحقیقت طفلانہ سی بات ہے۔ لیکن مجھے پُورا بھروسہ ہے کہ مسلمانوں کی اس تنگدلانہ فرقہ پرستی کے اسباب و علل کو دریافت کر کے ختم کر دیا گیا۔ تو اِن کا غیر مسلم اقلیت کے ساتھ رویہ ضرور ذمہ دارانہ اور بہتر ہوتا جائیگا۔ اِس آزاد کشمیر کا

قیام جس کا خاکہ میرے ذہن میں ہے۔ مَیں پُورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کو دُور اندیش اور اقلیت پسند بنا دے گا لیکن اِس کے باوجود میری رائے ہے کہ یقیناً کچھ عرصہ کے لئے مثلاً قریباً دس سال کے واسطے اقلیتوں کے مفاد کا حتمی تحفّظ کرنا بے حد ضرُوری ہے۔ اِن تحفّظات کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے؛ اس کا فیصلہ کرنا متعلقہ طبقوں اور فرقوں کے نمائندگان کے سپُرد ہوگا تاکہ وہ اس بارہ میں ایک تفصیلی خاکہ تیار کر سکیں۔ مثال کے طور میں چند ایک کی ویسے ہی تشریح کرتا ہوں۔

میری رائے میں عوام کے تمام نمائندوں کا چناؤ جو کہ عوامی اداروں کے لئے کیا جائیگا مشترک طریقۂ انتخاب پر ہونا چاہیئے۔ آغاز میں اِس طریقۂ کار سے شاید اقلیتوں کے لئے کامیابی کی گنجائش کم ہو۔ اس صورت میں اقلیتوں کے لئے نشستیں مخصوص کر دینی چاہئیں۔ یہ تخصیص اِن کے تناسب آبادی کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اور ساتھ ہی شرط عائد کرنی چاہیئے کہ ہر ایک تنظیم میں خواہ وہ کسی حلقہ کی نمائندگی کرتی ہوں۔ اقلیتی فرقوں کا ایک ممبر لازمی طور پر شامل ہونا چاہیئے۔ سرکاری ملازمتوں میں بھرتی کے وقت اقلیت کے ساتھ امتیازی سلوک نہ برتا جائے تمام لوگوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ ہونا چاہیئے۔ اور ہر فرد کو عقیدہ۔ ذات طبقہ اور نسل کے کسی امتیاز کے بغیر ترقی کا مساوی موقع ملنا چاہیئے بالکل پسماندہ طبقوں یعنی ہری جن وغیرہ کو تعلیم اور ملازمتوں میں خاصی

مراعات ملنی چاہئیں۔ مرکز اور ضلعوں میں اقلیتی بورڈ بنائے جائیں۔ یہ بورڈ سرکاری اور غیر سرکاری ممبروں پر مشتمل ہونے چاہئیں۔ مرکزی بورڈ میں اکثریت اور اقلیت دونوں فرقوں کے نمائندے شامل کرنے لازمی ہیں۔ اقلیتوں کی جملہ شکایات اور عذرات ان بورڈوں کے سپرد کرنے چاہئیں اور ان پر موثر اور عبرانہ کارروائی کرنی چاہیئے۔ ایسا کوئی قومی اعزاز خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو موجود نہیں رہنے دینا چاہیئے۔ جو اقلیتی فرقے کے کسی فرد کو کسی مسلمان کے دوش بدوش ایک معزز کی حیثیت سے کھڑے ہونے کا مساوی حق نہ دیتا ہو۔

جمہوریت اُسی وقت خطرناک ہے جب اس کی ہیئتِ ترکیبی کا مقصد اکثریت کا اقتدار سمجھ لیا جائے۔ مانا کہ جمہوریت کا مطلب یہی ہے کہ اکثریت حکومت کرے۔ لیکن جمہوریت بذاتِ خود شخصی آزادی کی کچھ مسلّمہ انسانی قدروں پر انحصار رکھتی ہے۔ ہر چند روزمرّہ کے معاملاتِ زندگی جو کسی بھی جمہوری ریاست کی عملداری میں درپیش آتے ہوں۔ اکثریت کی رائے سے ہی طے ہونے چاہئیں اور اس لحاظ سے اکثریت کی فوقیت مسلّمہ ہے۔ لیکن اس کا مُدّعا ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس جمہوری عملداری میں اقلیتی گروہ یا فرقے یا فرد کے بنیادی حقوق کو سرے سے کچل ہی دیا جائیگا یا بے انصافی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب اس جمہوری حکومت کی تشکیل آزادی کا احترام کرنے والے افراد کی بجائے، جاہل۔ تنگ خیال۔ اور جنوں زدہ گروہ نے کی ہو۔ اس وقت یقیناً اقلیت پر اکثریت کے بے پناہ

مظالم کا شدید خطرہ ہوگا اور انسانیت کی پاکیزہ قدریں پامال ہو کر رہ جائینگی لیکن اس کو جمہوریت نہیں کہا جائیگا۔ یہ تو صریحاً غنڈا گردی اور فسطائیت ہوگی خواہ یہ اکثریت کے ایما پر اور اس کے نام سے ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی جمہوریت جو ہمیشہ انسانی قدروں کو پیش نظر رکھتی ہے۔ وہ جمہوریت پرست اکثریت کی حکمرانی کا دوسرا نام ہے۔ سچی جمہوریت کا لائحہ عمل صرف مساوات ہوتا ہے۔ اس کے سامنے "ایک سب کے لئے اور سب ایک کے لئے" کا ماٹو رہتا ہے۔ لہٰذا یہاں وحشی اکثریت کے وجود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یقیناً آزاد کشمیر میں ہم اس مفہوم کی صالح جمہوریت قائم کرینگے۔

ایک حقیقی جمہوری نظام میں ایک اعلےٰ تعلیم یافتہ قوم مثلاً کشمیری پنڈتوں کا کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہوگا۔ بشرطیکہ ان کی راہنمائی احتیاط اور دُور اندیشی کے ساتھ کی جائے۔ کشمیری پنڈتوں میں ایسی قابلیت اور ایسے اوصاف پائے جاتے ہیں کہ جن کی بدولت یہ نئی طرز پر ایک نیا نظام چالو کرنے والے حکمران طبقہ کو بہت عزیز ہو سکتے ہیں۔ تاریخ کشمیر کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کشمیری پنڈتوں میں ماحول میں گھُل مل جانے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ یہ صلاحیت بہت کم اقوام میں ہوتی ہے۔ اگر کشمیری پنڈت فرقہ کو اس کی جان و مال اور آبرو کی سلامتی کا یقین دلا دیا جائے تو یہ قوم نہ صرف آزاد کشمیر میں ہی بام عروج پر پہنچ سکتی ہے۔ بلکہ باقی پاکستان میں بھی ان کی شہرت و ترقی کا ستارہ درخشاں ہوگا۔

آزاد کشمیر کے مسلمانوں کو لازمی طور پر عبوری دورِ حکومت میں اقلیتوں کو ان

تحفظات کا یقین دلانا اور ان کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کرنا ہوگا۔ سب سے پہلے راہنما آزاد مسلمانوں کا اس حقیقت کو تسلیم کرنا فرض ہوگا کہ آزاد کشمیر کے استحکام اور بہبود کے لئے ہندوؤں کی خوش حالی اور اطمینانِ قلبی بے حد ضروری ہیں۔ ایک اعلیٰ جمہوری ریاست کی اسی میں عظمت ہے کہ اس میں اقلیتوں کی ایسی ہی تالیفِ قلوب کی جائے، جیسی کہ اکثریت کی۔ اِس تالیفِ قلوب کا انحصار اقلیت کے ساتھ منصفانہ اور ہمدردانہ سلوک پر ہوتا ہے اور کسی حالت میں بھی ان کو شکایت کرنے کا موقع نہیں ملنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں حکومت پاکستان پر بھی ایک بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ آزاد کشمیر کے اندرونی معاملات میں اسے بے جا مداخلت نہیں کرنی ہوگی اور نہ ہی یہاں کے عوام پر غیر پسندیدہ اور بیرونی اشخاص کلیدی عہدہ داروں کی حیثیت سے مسلط کرنے ہونگے۔ اگر کشمیریوں کو اپنا ملکی انتظام سنبھالنے کا موقع مل گیا تو ریاست کشمیر میں کبھی بھی فرقہ وار کشیدگی نظر نہیں آئیگی۔

تیسرا باب

معاشی نظام

سوال ——— کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ آپ کی یہ سیاسی آزادی جس کی آپ نے کچھ تفصیل بیان کی ہے۔ کشمیری قوم کی حالت سدھار سکیگی اور ان کا معیارِ زندگی بلند کر سکیگی؟ اگر نہیں تو پھر آپ کی رائے میں چارۂ کار کیا ہوگا؟

جواب ——— جب تک عوام کو اقتصادی آزادی نہ ملے۔ ان کو سیاسی آزادی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بلاشبہ اوّل الذکر کا وجود ثانی الذکر کے بغیر غیر مکمل اور مبہم سا ہوتا ہے۔ "سیاسی آزادی" اگرچہ اس کی اساس آئین پر ہی کیوں نہ ہو تب تک پائیدار ثابت نہیں ہو سکتی، جب تک لوگوں کو اقتصادی کشمکش سے نجات نہ ملے۔

ہمارے ملک میں اقتصادی و معاشی ترقی کے بے شمار امکانات موجود ہیں۔ کشمیر ایسے خطہ میں جہاں خام پیداوار اور دولت کمانے کے دوسرے وسائل

کی اتنی بہتات ہے کہ لوگ آسانی سے ہر ضرورتِ زندگی کافی اور وافر حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمارے پہاڑوں میں ہر قسم کی معدنیات کی اَن گنت کانیں ہیں اتنے وسیع اور گھنے جنگلات یہاں پائے جاتے ہیں کہ عمارتی لکڑی اور ایندھن کا ذخیرہ صدیوں کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ اور بھی ایسی ایسی اشیاء پیدا ہوتی ہیں کہ جن سے کئی قسم کی دست کاریاں چالو ہو سکتی ہیں ہمارے ہاں دریاؤں اور قدرتی آبشاروں کی شکل میں اتنی زبردست آبی قوت ہے کہ اِس سے کئی گنا بجلی کی طاقت پیدا کی جا سکتی ہے۔ رنگ برنگ کے پھول۔ شیریں اور ٹھنڈے ہوئے پانی۔ رسیلے اور میٹھے پھل؛ قدرت کا لازوال حُسن و جمال دلکش و رنگین مناظر۔ نیل گوں جھیلیں، دادیٔ کشمیر میں اتنی اقسام اور بہتات سے پائی جاتی ہیں کہ دُنیا میں اِس حسین خطہ کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر ہم اِن ذرائع کو سنجیدگی سے تجارت کی شکل دے دیں تو ملکی آمدن میں کافی اضافہ ہو سکتا ہے۔ نیز کشمیر کی گھریلو صنعتیں مثلاً شال اور قالین بافی۔ کارچوبی۔ پیپر ماشی اور چاندی کے ظروف سازی۔ یہاں کا سمور۔ اُون۔ پشمینہ اور ریشم تمام دُنیا میں اتنی مشہور ہیں کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور سارے جہاں کے فن کار اور تاجر ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

مگر اس کے باوجود ریاست کی آبادی کا زیادہ حصّہ افلاس کی دلدل میں ہمیشہ دھنسا رہتا ہے۔ پیدائش سے لے کر مرنے تک ایک کشمیری کی ساری زندگی جہالت۔ فاقہ کشی اور اہل و عیال کی شکم پروری سے معذوری کا حسرت ناک نمونہ ہوتی ہے۔ بدن کو سوائے گندے چیتھڑوں کے اچھا لباس نصیب نہیں ہوتا۔ اور خطرناک بیماریاں ہر لمحہ اِس کو اندر ہی اندر چاٹ کر ختم کرتی رہتی ہیں۔ لاکھوں مرد و زن اور بچے بُنیادی امداد نہ ملنے سے مرتے رہتے ہیں۔ بے کاری عام رہتی ہے۔ خاص کر سرما کے پورے چھ برفیلے مہینوں میں، مایوسی کشمیری ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؛ سوال اِس کے قابلِ علاج ہونے کا نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ سرزمین جو اپنی خوشحالی کے لئے مشہور ہو۔ اور جہاں بقول شخصے دُودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہوں۔ فلاکت اور نکبت میں کیوں گرفتار رہے؛ کیا یہ ایک غیر فطری امر نہیں ہے؛ اِس کا سبب اتنا چھپا ڈھکا نہیں ہے بلکہ واضح ہے۔ اور اس کی ساری ذمہ داری فرماں روا پر عائد ہوتی ہے۔ جو اپنی رعایا کی ذہنی و مادّی ترقی اور نشوونما سے مجرمانہ غفلت برتنے کا عادی ہے۔ ہماری معاشرت کی اساس ایسے اُصول پر رکھی گئی ہے اور یہ ایسے ڈھنگ پر چلائی جا رہی ہے کہ اس میں آدمی، آدمی کو لوٹتا ہے۔ طبقہ، طبقے کو کھاتا ہے۔ اور فرقہ، فرقے کو مٹانے پر تُلا ہوا ہے غرض عجیب لُوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے۔ اِس سے ایک انسان تب ہی چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے اور قدرت کے بخشے ہُوئے وسائل سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے کہ ہر قسم کی دھاندلی کا خاتمہ کر کے اپنے معاشرہ کی بنیاد عدل پر دوبارہ اُصول پر رکھی جائے۔ ہمارے ہر شعبۂ زندگی میں پُورا انقلاب آنا چاہیئے۔ اور حکومت کرنے کے لئے منصفانہ اور شریفانہ ضابطۂ حیات کا نفاذ ہونا چاہیئے۔

سَردست ہماری معاش کا انحصار زیادہ تر زراعت پر منحصر ہے۔
۹۰ فی صدی سے بھی کچھ اُوپر کشیری باشندے زمین کی آمدن پر گُذارہ کرتے ہیں۔ اس طبقہ کو تین حصّوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ پہلا معتدبہ حصّہ ان کسانوں کا ہے جو اراضی کے مالک بھی ہیں۔ اور اُس کی کاشت بھی خود کرتے ہیں۔ دوسرا حصّہ ان جاگیرداروں اور زمینداروں کا ہے۔ جو اراضی کے مالک تو ہیں مگر خود کاشت نہیں کرتے۔ ان کی اپنی تعداد تو کم ہے مگر اراضی کا بیش تر حصّہ ان کے قبضہ میں رہتا ہے۔ حالانکہ کسانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مگر ان کے پاس اراضی کم ہے۔ نکّے اور کھیتوں سے غیر حاضر رہنے والے یہ جاگیردار اور چک دار بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے پیداوار کا قریباً سارا حصّہ اپنے محنت کش مزارعوں سے ہتھیا لیتے ہیں۔ اور ان کے لئے معمولی سی مقدار رہنے دیتے ہیں۔ جس پر ان لاکھوں غریبوں کو بمشکل گُذران کرنی پڑتی ہے۔ یہ کاشت کار ہماری سماج کا وہی سب سے زیادہ تعداد میں بدنصیب طبقہ ہے۔ جو سال بھر محنتِ شاقہ کر کے ان ظالم جاگیرداروں کے کھلیان بھرتے ہیں۔ اور خود فاقہ کشی کرتے ہیں۔ اِس جاگیرداری سسٹم نے ساری قوم کو مفلس بنا دیا ہے۔ اور ہماری تمام اقتصادی بیماریوں کی یہی ایک جڑ ہے۔ جہاں چک داری اور جاگیرداری موجود ہوں۔ وہاں سماج میں توازن و عدل کا فقدان رہتا ہے۔ یہ سسٹم ہر صورت ختم ہونا چاہیئے ہر کسان اس زمین کا مالک ہونا چاہئے جس کو یہ جوتتا اور بوتا ہے۔ وہ جو دھرتی کی خود کاشت نہیں کرتا، اُس کا پیداوار پر کوئی حق نہیں ہونا چاہیئے

ہماری زرعی اقتصادیات کا یہی پہلا اُصول قرار دیا جانا چاہیئے۔
یہ باور کر لینا کہ صرف جاگیرداری کو ختم کر کے عوام کی حالت کو بہتر بنایا جا سکتا ہے ایک غلط فہمی سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ بلاشک یہ تبدیلی ان محنت کشوں کی آمدن میں تھوڑا سا اضافہ کر دیگی اور یہ طبقہ کاہل اور بدکردار جاگیرداروں کی غلامی سے تھوڑا بہت چھٹکارا بھی حاصل کر لیگا۔ لیکن صحیح معنوں میں یہ اُس اعلیٰ معیارِ زندگی پر پہنچ نہیں سکیں گے۔ جن کے یہ لوگ مستحق ہیں۔ اِس کے لئے ہمیں اور بھی کچھ کرنا ہوگا۔ ہمیں کاشت کاری اور زراعت کو سائنٹیفک طریقوں پر ترقی دینی ہوگی۔ اراضی کے حصّے بخروں نے پیداوار کو کم کر رکھا ہے۔ کسانوں کو یہ بات سمجھانی ہوگی۔ کہ تھوڑی محنت اور تھوڑے خرچ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ زمین کی انفرادی حیثیت کی بجائے امداد باہمی کے اُصول پر مشترکہ کاشت کی جائے۔ ان کسانوں کو جو ایک ہی علاقہ کے رہنے والے ہوں۔ اور جن کے کھیتوں کے ڈانڈے ایک دوسرے سے ملتے ہوں۔ کاشت کاری کے لئے انجمن امداد باہمی بنانی چاہیئے۔ اور زراعت کے فرسودہ طریقوں کو ترک کر کے جدید سائنٹیفک آلات کشاورزی اور اعلیٰ قسم کے بیج کو استعمال میں لا کر زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنی چاہئے۔ اِس طرح قریباً پچاس فی صدی محنت کھیتوں میں کم خرچ ہوگی۔ اور باقی ماندہ محنت کو قومی دولت کمانے کے دوسرے وسائل پر وقف کر دینا چاہیئے۔

سوال ——— کیا جاگیرداری اور چک داری کو ختم کرنے کی

پالیسی کو بروئے کار لاتے وقت بیدخل مالکان کو کوئی معاوضہ بھی دیا جائیگا؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ یہ انسانی طبقہ سخت مشکلات میں پھنس جائیگا؟ اس وقت آپ کے سماجی عدل کا یہ اُصول کہاں ہوگا؟

جواب ——— معاوضہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ معاشری عدل و انصاف کے رُو سے یہ جاگیردار اور چک دار صدیوں سے نہ سہی، قرنوں سے ساری قوم کو لوٹتے چلے آرہے ہیں۔ محض اِس رُعب اور غرض کے لئے معاوضہ مانگنا کہ آئندہ لُوٹ کھسوٹ بند ہو جائیگی۔ ایک شرم ناک مطالبہ ہے۔ یہ کبھی پُورا نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ آزاد کشمیر میں کام کرنے کے ہر خواہش مند کو کام مہیا کیا جائیگا۔ تمام باشندوں کو کام پر لگانے کی ذمہ واری حکومت پر عائد ہوگی۔ اگر یہ بیدخل شدہ جاگیردار اور چک دار سمجھ دار ہونگے اور بدلتے ہوئے حالات کے موافق اپنے آپ کو بنانے کی لچک رکھتے ہونگے نیز معاشری عدل و مساوات کے اس اشرف دَور سے چڑنے یا ٹکر لینے کی نیت نہ رکھتے ہونگے تو یقیناً اِس نظام میں ایک باعزت شہری کی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے انہیں تمام مواقع حاصل ہونگے۔ اپنی روزی کمانے کے واسطے اِن کے لئے کافی کام ہوگا خاص کر نئی صنعتوں اور زراعتی انجمن ہائے امداد باہمی میں اِن کے واسطے پُوری گنجائش ہوگی۔ آزاد ئ کشمیر کے انقلابیوں کی ایسی نیت ہرگز نہیں ہے کہ اس بیدخل شدہ طبقہ کو انتقامی جذبہ کا نشانہ بنا کر فاقہ کش اور قلاش کر دیا

جائے۔ ہاں اگر وہ موزوں کاروبار حاصل نہ کر سکے۔ تو پھر ان کے لئے معاوضہ کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ اِس کے برعکس اس استحصالی عنصر نے اگر بگڑنے اور اَڑ جانے کی کوشش کی تو پھر یہ لوگ لازمی طور پر نقصان اُٹھائینگے۔ اور ان کی مدد کے لئے کوئی بھی آگے نہیں بڑھے گا۔

سوال ——— زمین کو قومی ملکیت بنانے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ مفید ثابت نہ ہوگا کہ ساری زمین پر حکومت قبضہ کرلے۔ اور کسان صرف سرکاری کاشت کاروں کی حیثیت سے کام کریں؟

جواب ——— میری رائے میں زمین کو قومی ملکیت قرار دینے سے آخیر میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس سے اقتدار صرف معدودے چند ہاتھوں میں سکڑ کر رہ جائیگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مطلق العنانیت۔ دھڑے بندی اور دوسری سیاسی و تمدنی برائیوں کا دور دورہ ہو جائیگا یُوں تو حکومت ماڈل فارم۔ باغات، اور کھیت تیار کرنے کے کچھ رقبہ جات اپنے لئے مخصوص کر سکتی ہے اور اسی طریقہ پر زراعتی انجمن ہائے امداد باہمی کی نگہداشت اور اچھی طرح چلانے کی غرض سے اِن کو ہر سہولت پہنچا سکتی ہے۔ نیز زرعی پیداوار کا ایک فی صدی سالانہ بطور کرایہ بھی وصول کر سکتی ہے۔ لیکن پھر بھی جمہوری مساوات کے سفاد کے پیش نظر آزاد کشمیر میں زمین کو قومی ملکیت قرار دینے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔

سوال ——— آزاد کشمیر کو صنعتی ملک بنانے کے منصوبہ پر آپ کس طرح عمل کرینگے؟ ذرا اس پر بھی روشنی ڈال دیجئے گا۔

جواب ـــــ صنعت کاری کے ضمن میں سب سے اہم جو ضرورت ہمارے پیش نظر ہے وہ آبی قوت کے بہترین ذرائع سے بجلی پیدا کر کے اس کو ملک میں عام کرنا ہے۔ جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں۔ خطۂ کشمیر میں ہر جگہ یہ آبی قوت موجود ہے۔ ہم ہر ایک گاؤں میں بجلی مہیا کرنے کے لئے پن بجلی (ہائیڈرو الیکٹرک) کی سکیمیں تیار کر کے ایسے چھوٹے چھوٹے بجلی گھروں کا جال بچھا دینگے۔ بڑے بڑے قصبوں اور شہروں کے لئے بڑے بجلی گھر بنائے جائینگے۔ اس قسم کے وسائل تیار کر کے ہم اپنے ملک کو مقامی خام پیداوار کی مقدار اور ضروریات کے مطابق صنعتی بنا دیں گے۔ ہماری صنعت ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوگی صرف مخصوص شہروں میں محدود نہیں ہوگی۔ یہ صنعتیں بھی کاریگروں اور محنت کشوں کی انجمن ہائے امدادِ باہمی کی بنیاد پر چلائی جائینگی۔ ان میں وہ لوگ شامل ہونگے جو زراعت کے کام کو جدید طریقوں سے کم وقت میں ختم کر کے فارغ بیٹھے ہونگے۔ جو وجوہ زراعت کو قومی ملکیت نہ بنانے کے سلسلہ میں بیان کی گئیں ہیں۔ انہی کی بنا پر سوائے چند ایک کے، صنعتوں کو قومی ملکیت قرار نہیں دیا جائیگا ہم صرف صنعتی انجمن ہائے امدادِ باہمی کی پوری حوصلہ افزائی کریں گے۔ تاکہ سیاسی اقتدار کے محدود ہو جانے اور جمہوریت کو دھچکا لگنے کی کوئی صورت نہ رہے۔

کسی ملک کو صنعتی بنانے کے لئے جن چار چیزوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ وہ خام مال، بجلی کی قوت، مشینیں اور کاریگر ہیں۔ اس لحاظ سے

ہمارے پاس خام مال کی بہتات ہے اور ہم آسانی سے بجلی پیدا کر سکتے ہیں۔ صرف ہمیں بیرونی ممالک سے مشینری خرید کر درآمد کرنی پڑیگی۔ اس کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ اگر صرف ساٹھ لاکھ کی وہ رقم جو مہاراجہ کو بطور جیب خرچ دی جاتی ہے۔ اس غرض کے لئے وقف کر دی جائے تو ہم کافی سے زیادہ مشینیں خرید کر چند سالوں میں نمایاں صنعتی ترقی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ذرا اس دولت کا اندازہ بھی لگائیے جو بڑے بڑے چک دار اور جاگیردار غریب کسانوں سے ہتھیا لیتے ہیں۔ اس کو اگر اکٹھا کیا جائے تو یہ بھی ایک بہت بڑی رقم ہوگی۔ اس امر کا پورا یقین رکھنا چاہیئے کہ جاگیرداری کے خاتمہ کے بعد کسانوں کی آمدن جب بڑھے گی تو وہ اس کا کچھ حصہ خوشی سے ملک کی صنعتی ترقی کے لئے وقف کر دینگے کیونکہ وہ سمجھ لیں گے کہ اس کے بدلے ان کی آمدن میں مزید اضافہ ہو جائیگا۔ ہمارے ملک میں غیر تربیت یافتہ مزدوروں کی کمی نہیں ہے۔ ان کی مختصر کل تربیت کے لئے دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی امداد اور راہنمائی کی ہمیں پوری توقع رکھنی چاہیئے۔ اس زرعی انقلاب اور ملک کو صنعتی بنانے کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ ہر شخص زیادہ سے زیادہ اپنی ضروریات پوری کر سکے اور اس کا معیارِ زندگی بلند ہو سکے۔ اس کے ساتھ یہ بھی مدعا ہے کہ عوام کا کوئی بھی طبقہ اس کاروبار سے ذاتی منافع خوری کا کوئی موقع حاصل نہ کر سکے۔ اس سلسلہ میں قوانین نافذ کئے جائینگے اور ان پر سختی سے عمل کیا جائیگا۔ ہماری حکومت کے طول و عرض میں لوٹ کھسوٹ کہیں نظر نہیں آئیگی۔ چنانچہ جتنی زیادہ

صنعتیں ملک میں پھیلیں گی اتنا زیادہ آزاد کشمیر کے عوام کا معیارِ زندگی اُونچا ہوگا۔ معاشی لحاظ سے فارغ البال عوام کی ساری دبی ہوئی صلاحیتیں اُبھریں گی۔ اور ان کے پاس اپنی تمدنی ترقی پر توجہ دینے کے لئے کافی وقت ہوگا۔ اور وہ صحیح معنوں میں ذہنی بالیدگی اور اخلاقی نشوونما حاصل کرنے کے اہل ہونگے۔

سوال ——— آپ کے جمہوری سوشل ازم اور روس کے موجودہ کمیونزم میں کیا فرق ہے؛ جہاں تک میری شنید کا تعلق ہے۔ مجھے تو ان دونوں میں کوئی خاص فرق معلوم نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا یہ راستہ آخرکار کشمیر کو کمیونزم کی طرف لے جائیگا۔

جواب ——— آپ بھی اس غلط فہمی کا شکار بن چکے ہیں کہ تمام سوشلسٹ منصوبے کمیونزم سے مشابہت رکھتے ہیں لہٰذا یہ ہر لحاظ سے روس کے عالمگیر اشتراکی پروگرام کا ایک حصہ ہیں۔ لیکن یہ صرف قیاس آرائی ہے میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ عوام کی ترقی و فلاح کے لئے روسی تجربات سے بہت حد تک فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی بیدار مغز اشخاص کی اس لغزش کا بھی اعادہ نہیں کریں گے۔ جس کے سبب روسی راہنما اپنے انسانیت دوست مقاصد اور کامیابیوں کے باوجود عالمی اعتماد کھو چکے ہیں نہ معلوم انقلاب روس کے وقت یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ زیر استبداد عوام کی آزادی کے لئے تمام صنعتوں اور دستکاریوں کو قومی ملکیت بنانا اور محدود کر دینا ضروری ہے۔ اور یہ کہ عبوری دور میں پرولتاری آمریت کا قیام ناگزیر

ہے تاکہ ایک غیر طبقاتی سماج کا ظہور ہو سکے اور پایانِ کار حکومت کا وجود تحلیل ہو کر رہ جائے۔ لیکن اس کی عملی صورت یہ ہے کہ تیس برس گذرنے کے باوجود روسی اشتمالیت کے کرتا دھرتا ان نظریات میں سے ایک کو بھی کامیاب نہیں بنا سکے۔ بلاشک ملک کی صنعتی ترقی کے وسیع پروگرام کے نتائج بہت اچھے ثابت ہوئے ہیں۔ اور روسی عوام کی اقتصادی حالت پہلے کی نسبت بدرجہا بہتر ہو گئی ہے۔ لیکن یہ کامیابی سماج کی بیش بہا تمدنی قدروں کو قربان کر کے حاصل کی گئی ہے۔ صنعتوں کو قومی ملکیت بنانے اور مرکزی سرکار کی نگرانی میں دینے کا یہی مدعا تھا کہ عوام کو سیاسی اور جمہوری آزادی سے محروم کر کے ایک سخت گیر نظامِ حکومت قائم کر دیا جائے۔ روسی نظام میں فرد کو اجتماعی خودی نے گہنا دیا ہے اور ہر قدم پر فرد کے وجود کو اجتماعی مفاد کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ ایک روسی محنت کش بلاشبہ زیادہ اچھا کھاتا ہے زیادہ اچھا پہنتا ہے۔ اور زیادہ اچھے مکانوں میں رہتا سہتا ہے۔ لیکن اسے اپنے ضمیر اور اپنے خیال کے مطابق حکمران طبقہ پر جائز تنقید کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اسے بلا چون وچرا اطاعت کرنی ہوگی یا کیفرِ کردار کو پہنچ جانا ہوگا۔ ہمیں اپنے وطن آزاد کشمیر میں پہلے پورے اور موٹے تازے بیلوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں ان افراد کی ضرورت ہے جو ذہنی، اخلاقی اور ہر اعتبار سے آزاد ہوں۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر ہم ان روسی لغزشوں سے دامن بچانے کی سرتوڑ کوشش کریں گے۔ ہمارے یہاں صنعتیں واقعی قوم کی ملکیت ہونگی۔ مگر اس طرح نہیں کہ صنعت کاروں کی وقعت اور آزادی

ضمیر ختم ہو کر رہ جائے۔

ہم ان سے سنگینوں کی نوکوں سے "زیادہ کام" اور "زیادہ قابلیت" کا مطالبہ نہیں کرینگے۔ ہم صنعتی اداروں کی تشکیل اس طریقے سے کریں گے کہ کاریگروں کی یہ انجمن ہائے امداد باہمی آپس کی ہمدردانہ معاونت سے حکومت کی مربیانہ نگرانی میں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ کام کیا کرینگی۔ صنعتوں کی تحدید نہیں کی جائیگی۔ بلکہ انہیں ملک کے طول و عرض میں مقامی ضروریات و امکانات کے مطابق پھیلا دیا جائیگا۔ ملکی صنعتوں کو قومی بنانے کی خاطر ہم جمہور کی شخصی آزادی کسی طرح بھی سلب کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک سرداری اور اولیت کا حق دار صرف فرد ہے۔ اس منصب پر ملک، طبقہ، قوم یا کوئی مخصوص فرقہ فائز نہیں ہو سکتا۔ فرد کی ہستی کسی صورت میں بھی نہ گھٹائی جا سکتی ہے اور نہ محکوم و غلام بنائی جا سکتی ہے۔

اگرچہ روس کی موجودہ پرولتاری ڈکٹیٹر شپ عبوری دور میں ناگزیر سمجھی جاتی ہے۔ اور کمیونسٹ لیڈر اس بات کے دعویدار ہیں کہ یہ نظام آخر کار ایک غیر طبقاتی سماج کا خالق ثابت ہوگا اور رفتہ رفتہ حکومت کی موجودہ صورت از خود اس سماج میں تحلیل ہو جائیگی۔ لیکن بالشویک حکومت کے سی سالہ دور میں یہ دعوے شرمندۂ عمل نہیں ہوا۔ اور یہ پرولتاری ڈکٹیٹر شپ اصل میں کمیونسٹ ڈکٹیٹر شپ بن چکی ہے۔ اور جمہوریہ کا وجود رفتہ رفتہ تحلیل ہونے کی بجائے زیادہ مستحکم ہو چکا ہے۔ اس نظام میں رائے اور ضمیر کی کوئی آزادی نہیں ہے۔ صرف ایک سیاسی تنظیم یعنی کمیونسٹ پارٹی کو قائم رہنے اور حکومت کرنے کا حق ملا ہوا ہے۔ اس طریقۂ کار کو یہ کہہ کر جائز قرار دینا کہ اس سے ایک روشن مستقبل وابستہ ہے۔ اخلاقی لحاظ سے پوچ اور مضحکہ خیز طرز استدلال ہے۔ خرابیوں کے سہارے انسانیت کبھی پنپ نہیں سکتی۔ صرف نصب العین کا ہی مستحسن ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کے اصول کے طریقے بھی اخلاقاً مستحسن ہونے چاہئیں۔ اگر آمریت مطلق العنانیت۔ اور احتساب آزادئ فکر بنیادی طور پر خراب ہیں۔ تو ان کا اطلاق کیونکر مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ خواہ ان کو کمیونسٹ ہی بروئے کار کیوں نہ لائیں۔ ان کا انجام کبھی بہتر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آزاد کشمیر کی جمہوریہ میں ان خرابیوں کا کبھی اعادہ نہیں ہونے دیا جائیگا۔ ہمارا مقصد بھی غیر طبقاتی سماج کا قیام ہوگا۔ مگر اس کو صرف جمہوری طریقوں سے حاصل کیا جائیگا۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اگر غیر طبقاتی سماج کا تصور واقعی معقولیت پسند ہے تو انسان کے لئے اس میں پوری کشش ہونی چاہیئے۔ کیونکہ انسان بذات خود ذی عقل اور صاحب شعور ہے۔ استحصالی عنصر کے ہتھکنڈوں اور نظام سے چھٹکارا پائے ہوئے لوگ خود بخود غیر طبقاتی معاشرہ کے لئے معقول جد و جہد کرینگے آزادئ فکر و رائے کو خواہ یہ کتنی ہی کڑوی کسیلی کیوں نہ ہو تشدد کے ساتھ دبانا پوری حماقت کی دلیل ہے۔ عوام کو صائب الرائے ہونے اور اس کے بے باکانہ اظہار کا پورا موقع ملنا چاہیئے۔ یہی ایک واحد طریقہ ہے۔ جس سے خراب اور غلط نظریات کا استیصال پوری طرح کیا جا سکتا ہے۔ جمہوریہ آزاد کشمیر میں ہر عقیدہ اور خیال کے لوگوں کو اپنے نظریہ کے

اظہار و بیان کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ ملک کی اس صنعتی منصوبہ بندی کو عوام اور فرد کے فطرتی حق کو چھیننے یا اس میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائیگی۔ کیونکہ مطلق العنانیت بر صورت ہمارے نزدیک قابلِ نفرت نظام ہے۔

ہم اپنی اقتصادیات کی نشوونما سرمایہ دار اور استعمار پرست ممالک کے نمونے پر ہرگز نہیں کریں گے۔ کیونکہ ان کے معاشرہ میں محنت کش طبقہ کی لوٹ کھسوٹ کرنے کی ہر شخص کو کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے۔ اور یہ بے راہ روی ان کے ہاں کوئی جرم نہیں ہے۔ نہ ہی ہم اپنی صنعتوں کو محدود کر کے چند لوگوں کی اجارہ داری بننے دیں گے۔ بفرض محال کھلی مسابقت اور بھاگ دوڑ ایک فرد کی آزادی کو خاص نقصان نہ پہنچائے۔ لیکن پھر بھی یہ طبقاتی اور انفرادی لوٹ کھسوٹ جب تک نہ مٹا دی جائے گی۔ اقتصادی معاملات کو عدل اور مساوات کی سطح پر نہیں لایا جا سکتا۔ اور آزادی محض فریب کا دوسرا نام ہوگا۔ "صنعتی تحدید" جو سیاسی طاقت کو چند مخصوص ہاتھوں میں سونپ دینے کے مترادف ہے۔ شخصی آزادی کے لئے زہر ہلاہل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ دھڑا بندی اور مطلق العنانیت کی طرف لے جاتی ہے۔ اس مسموم اور گھٹی گھٹی فضا میں اقتصادی آزادی۔ دنیاوی ترقی اور آسودگی بے وقعت اور مردہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ہم اس خطرناک دوراہے سے دامن بچا کر تیسری راہ اختیار کرینگے ہم اپنی معاش اور اقتصاد کی تعمیر امداد باہمی کی بنیادوں پر کریں گے۔ اور اس سے مقصود صرف صنعتی اور سیاسی اقتدار کی اجارہ داری کو ختم کرنا ہوگا۔ بلاشک

اس منصوبہ بندی کی تشکیل کا کام حکومت کے ذمہ ہوگا۔ اس طرح ہر قسم کی لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ ہو جائے گا چیزیں صرف قومی ضروریات پورا کرنے کی غرض سے تیار کی جائینگی۔ نفع اندوزی اور استحصال کی نیت سے نہیں۔ اشیاء کی پیداوار کے ساتھ ساتھ ہمیں ہر قدم پر احتیاطاً یہ جائزہ لینا ہوگا کہ ہماری روز افزوں ترقی سے کہیں شخصی آزادی تو کم نہیں ہو گئی۔ کیونکہ ہمارا خیال ہے کہ فرد نے پہلے پہل سماج کو صرف اپنی ذاتی نشوونما کے لئے بنایا تھا اپنے آپ کو غلام بنانے کے لئے نہیں۔ چنانچہ جب سماجی معاملات کی کسی تحریک میں یہ ابتدائی اور اہم جذبہ مفقود ہو جاتا ہے تو سماج کی سماج رجعت پسند بن جاتی ہے۔ اس سے کنارہ کشی بے حد ضروری ہے۔ لہٰذا ہر لحاظ سے فرد کی اولیت کو مقدم جان کر اس کی پوری حفاظت کرنی چاہیئے۔

سوال ——— کشمیر میں کونسی صنعتوں کو چالو کرنا آپ پسند کریں گے؟ کیا آپ ان میں سے مجھے چند ایک کا نام بتا سکتے ہیں؟ اور وہ مقام بھی بتائیے جہاں ان کا قیام عمل میں لایا جائیگا۔

جواب ——— یہ تو ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق صرف کاریگروں اور صنعت کاروں سے ہے۔ میں اس کا جواب دینے کا اہل نہیں ہوں۔ میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ ہمارے ملک میں آبی قوت اور کچا مال کافی مقدار میں موجود ہیں۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ کوئلے، تیل اور لوہے کے علاوہ ہمارے پہاڑوں کے سینے میں اور بھی دوسری قسم کی معدنیات موجود ہیں اور انہیں یہ پہاڑ ہر لحظہ باہر اگلنے کے لئے بے تاب ہیں۔ ان کی باقاعدہ جانچ پڑتال

کرنے کے بعد ماہرینِ فن۔ انجینئر اور صنعت کار ملک کو صنعتی بنانے کے لئے جمہوریہ آزاد کشمیر کی مشاورت سے پُورا خاکہ تیار کر سکتے ہیں۔ یہاں صرف یہ زور دیا جا سکتا ہے کہ صرف جمہوری بنیادوں پر صنعتی ترقی ہی کشمیری عوام کو خوش حال اور مطمئن بنا سکتی ہے۔ ملک اپنی ضروریات آپ پوری کرنے اور اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کا اہل ہو سکے گا۔ اور موجودہ افسوس ناک افلاس ونکبت اور انسانی زندگی کے بھیانک اتلاف کو روکا جا سکیگا۔

سوال ——— گھریلو دست کاریوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب ——— کشمیر کی موجودہ گھریلو دستکاریوں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ اِن کو بھی دوبارہ جمہوری طریقے پر منظم اور مضبوط کرنا پڑیگا۔ اس وقت بچارے کاریگروں کو ظالم اور سنگ دل سرمایہ دار طبقہ بُری طرح لُوٹ رہا ہے۔ اِس کو جتنی جلدی ہو سکے روکنا ہوگا۔ کاروباری بنیادوں پر اِن کاریگروں کی انجمن بنانے امداد باہمی بنانی پڑیں گی۔ اور اِن انجمنوں کی حکومتِ آزاد کشمیر پوری مدد اور حوصلہ افزائی کریگی۔ بعد ازاں صنعتی منصوبہ بندی کے مطابق اِن گھریلو دستکاریوں کو بھی بجلی کی طاقت سے چلایا جائیگا۔ تاکہ کم سے کم محنت صَرف ہو۔ درمیانی عرصہ میں یہ دستکاریاں حسبِ دستور سابقہ چالو رہیں گی۔ لیکن اِن کو غفلت شعاری۔ کس مپرسی اور انتشار کا شکار نہیں بننے دیا جائے گا۔ جمہوریہ آزاد کشمیر گھریلو صنعتوں کی توسیع اور کاریگروں کی فلاح و بہبود میں بہت دلچسپی لیا کریگی۔ کیونکہ ہمارے ملک کی موجودہ معاشیات کا یہ ایک اہم حصّہ ہیں۔ اور آزاد کشمیر کی آئندہ اقتصادیات کا

بھی غیر منفک جزو تصوّر کی جائینگی۔

ہمارے اِن گھریلو صنعتی اداروں میں صرف مال تیار کرنا ہی مقدّم اَمر نہیں ہے۔ بلکہ اِس مال کی کھپت بھی بہت اہم مسئلہ ہے۔ صدیوں سے خطّۂ کشمیر اپنی اِن دستکاریوں سے دنیا بھر میں مشہور چلا آرہا ہے۔ کبھی وہ زمانہ بھی تھا جب ہماری شالوں کی سب سے بڑی منڈی سارا یورپ عموماً اور فرانس خصوصاً ہوا کرتے تھے۔ لیکن حکومت کی عدم توجہی اور معاندانہ روش نیز تاجروں کی خام کاری نے شال فروشی کے بیوپار کو رفتہ رفتہ مندا کر دیا ہے حالانکہ جدید رسل ورسائل کی آسانیوں اور عالمگیر تجارتی سہولتوں کے اعتبار سے مال کی کھپت بیرونی ممالک میں زیادہ ہونی چاہیئے تھی۔ جمہوریۂ آزاد کشمیر اِس مسئلہ کو سرگرمی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیگی اور مال کو دُور دراز ملکوں میں بیچنے کے لئے اچھی اچھی منڈیوں کا بندوبست کریگی اور مختلف تجارتی مرکز کھولیگی۔ خاص کر اِن بدمعاملہ اور بے اُصول بیوپاریوں کا قلع قمع کرے گی جو مال کو غیر ملکی گاہکوں کے پاس فروخت کرتے وقت غیر اخلاقی اور تجارت دُشمن ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ اِس سے ملک کی بدنامی ہوتی ہے اور تجارتی ساکھ گر جاتی ہے۔ صرف انہی بیوپاریوں کے ہاتھ میں یہ تجارت رہیگی جن کا مطمحِ نظر "دیانت داری بہترین حکمت عملی ہے" ہوگا۔ ہم نہ صرف ہمسایہ ملکوں میں، بلکہ دُنیا کے دوسرے دُور دراز حصّوں میں بھی اپنے تجارتی ایجنٹ اور کمشنر مقرر کریں گے۔ یہ ایجنٹ اور کمشنر حکومت کو اور حکومت کی وساطت سے کاریگروں کی تمام انجمنوں کو مطلع کرتے رہا کریں گے کہ ہمارے

مال کے متعلق اِن منڈیوں کی رفتارِ تنقید کیسی ہے اور گاہکوں کے مختلف مذاق کی آج کل نوعیت کیا ہے۔ اس سے ہمارے فن کاروں کو ترقی اور مانگ کے مطابق مال کا معیار بلند کرنے میں پوری مدد ملیگی۔ اس واسطے سے ہماری صنعت و حرفت دِن دوگنی اور رات چوگنی چمکتی جائیگی اور ہمارا مُلک دولت مند بن جائے گا۔

ہم سیاحی تجارت کے امکانات کو بھی فروغ دینے کی کوشش کرینگے۔ مجھے وادی کشمیر کے قدرتی حُسن وجمال اور کشش انگیز تجارتی امکانات پر زیادہ روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس ضمن میں مشہور ترین مصنفین و فنکار بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔ میں صرف اتنا اشارہ کرونگا کہ اگر اس حسین و جمیل وادی میں سیاحوں کی آمد و رفت کے کاروبار کو سائنٹیفک طریقوں پہ چلایا جائے بیرونی ممالک میں نشر و اشاعت کا وسیع سلسلہ قائم کیا جائے اور سیاحوں کو ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کی ہر ممکن سہولت مہیا کی جائے تو ہشیار سیاحوں کو یہ فردوسِ نظر خطہ اپنی طرف اور زیادہ کھینچ سکتا ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ایسے ممالک بھی ہیں جو ہر لحاظ سے وادی کشمیر سے کم تر ہیں مگر اپنے سائنٹیفک وسیلوں اور ہوشیاری سے لاکھوں سیاحوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے اور دولت کے انبار اکٹھے کرتے رہتے ہیں۔ سیاح محض ان ملکوں میں اس لئے دوڑے جاتے ہیں کہ ان کو وہاں ہر طرح کا آرام و آسائش میسر ہوتا ہے۔ ہمیں سیاحوں کی خاطر تواضع کا فن سیکھنا ہوگا۔ وادی میں درجنوں ایسے دلکش مقامات بکھرے پڑے ہیں کہ اگر ان کو اعلےٰ درجہ کی سڑکوں سے شہر کے ساتھ ملا دیا جائے۔ اور اگر یہاں تفریحی اور

رہائشی انتظامات اعلیٰ پیمانے پر کئے جائیں اور آنے جانے کی تمام سہولتیں دی جائیں۔ اِس کے علاوہ غیر ملکوں میں اِن خوشنما اور نظر افروز مقامات کا وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا کیا جائے تو ہر سال دو لاکھ سے بھی زائد سیاحوں کی آمد کی توقع ہو سکتی ہے۔ یہ سیاح لوگ جس قدر روپیہ یہاں خرچ کر جائینگے اس کا اندازہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارا یہ کاروبار تبھی پھل ہو سکتا ہے اور فروغ حاصل کر سکتا ہے۔ جب سیاح وادی سے خُوش اور مطمئن ہو کر جائیں گے۔ اور ہمارے خلاف اِن کو شکایت کا کوئی موقع نہیں ملیگا۔ اِس کاروبار کو وہ بے اُصول اور لالچی ہاکر۔ بیوپاری ہوٹل والے اور ہوس بوٹوں کے غیر تربیت یافتہ مالک سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ جن کے پیشِ نظر یہی لالچ ہوتا ہے کہ نو وارد سیاح کی ایک ہی رات میں کھال اُدھیڑ کر دولت اکٹھی کر لی جائے۔ یہ غیر اخلاقی اور ناپسندیدہ طریقہ کار یک لخت ختم کرنا پڑیگا۔

اِس دوران میں ہندو مقدس مقامات اور مشہور تیرتھوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ مشہور ترین تیرتھ سوامی امرناتھ اور مارتنڈ اننت ناگ ضلع میں اور شاردا جی تحصیل کرناہ میں ہیں۔ یہ تیرتھ دنیا بھر کے ہندوؤں کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اور یہاں ہر سال ہزاروں یاتری آتے رہتے ہیں۔ اگر ان یاتریوں کی حفاظت اور سفر و حضر کی تمام سہولتوں کا مکمل انتظام ہو تو وادی میں سیاحوں کی آمد میں ان تیرتھ یاتریوں کی تعداد اور اضافہ کریگی۔ سیاحوں کی آمد و رفت کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو ملکی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر

سیاحوں کے ساتھ ذہانت اور ہوشیاری کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے تو یہی سیاح پروپیگنڈا کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اگر ہم جان جائیں کہ سیاحوں کے ساتھ کس طرح دوستانہ اور شریفانہ سلوک کرنا چاہیئے اور ان کے اذہان پر اپنے اچھے اثرات کیسے قائم کرنے چاہئیں تو یہ سیاح لوگ ہمارے متعلق اچھی رائے کو ساری دُنیا میں پھیلا سکتے ہیں۔ اور وہ ملک خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس کے بہی خواہ دیس دیس میں موجود ہیں۔ اور ہر کڑے وقت میں ان غیر ملکی ہمدرد اور دوست لوگوں کی جمعیت اس کی مدد کو ضرور تیار ہوگی۔

علاوہ بر آں ہمیں اچھی طرح یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اگر ہمیں واقعی سیاحی کے کاروبار کو ترقی دینے کا شوق ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ ہماری اقتصادی و معاشی خوش حالی کا دار و مدار بہت حد تک سیاحوں کی آمد پر ہے تو ہمیں تمام ممالک سے عموماً اور ہمسایہ حکومتوں سے خصوصاً دوستانہ تعلقات رکھنے پڑیں گے۔ لہٰذا ہمیں ہندوستان کے ساتھ بھی پاکستان سے کسی طرح کم بہتر تعلقات نہیں رکھنے پڑیں گے۔

چوتھا باب

تعلیم و تربیت

سوال ——— آپ کے ہاں تعلیم و تربیت کی منصوبہ بندی کیسی ہوگی؟

جواب ——— سیاسی آزادی اور معاشی ترقی اپنی اپنی جگہ بہت اہم اُمور ہیں۔ لیکن میری دانست میں تمدنی ترقی ان سب سے اہم ہے۔ جب تک بڑھتی ہوئی جہالت۔ ذہنی پستی اور اخلاقی و روحانی غلامی کو بیخ و بُن سے اُکھیڑا نہیں جاتا۔ زندگی کے ڈال پات سُوکھے کے سُوکھے ہی رہیں گے اور ان کی نشوونما ہمیشہ سراب آسا رہے گی۔ صحیح جمہوریت کی نیو صرف مُلکی باشندوں کی بیداری پر قائم ہوتی ہے۔ اگر لوگ جاہل اور توہّمات پرست ہیں تو سمجھ لیجئے کہ جمہوریت کی ساری عمارت ریت کی ایسی دیواروں سے استوار کی گئی ہے۔ جن کا ہر لحظہ دھڑام سے گر پڑنے کا خدشہ ہوگا۔ لوگ تعلیمی اور تربیتی لحاظ سے جتنے بیدار ہوں گے جمہوریت کی بُنیادیں اتنی ہی مستحکم ہوں گی۔

غرضیکہ پسماندہ اور جاہل مطلق ماحول میں جمہوریت ناپید رہتی ہے۔ یہ یقین کرنا سراسر فریب خوردگی ہے کہ جہالت میں لتھڑے ہوئے عوام کی موجودگی میں ملک پورا جمہوری بن سکتا ہے۔ یہ جمہوریت نہیں ہوگی بلکہ اس کے نام پر متعصب استحصالی طبقہ برسر اقتدار ہوگا۔ ذہین۔ بےلوث۔ اور بلند اخلاق لوگ اس ماحول میں کبھی عزت کی نگاہوں سے نہیں دیکھے جائیں گے۔ ایسے ملک کو جس کی تمنا جمہوری بننے کی ہے سب سے پہلے۔ جہالت۔ توہم پرستی اور تعصبات کے خلاف جنگ کرنی پڑے گی۔ یہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جب شخصیت پرستی اور تقلید کی جگہ خود اعتمادی ابھرے۔ کورانہ عقیدت کی بجائے دانش مندی اختیار کی جائے اور جاہلانہ عقائد کی بجائے عوام میں چھان بین کرنے کی تنقیدی صلاحیت پیدا ہو تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ اصلی جمہوریت اس ملک میں موجود ہے۔ صرف یہی ایک جمہوریت آزادی کے آدرش کی صحیح راہنمائی کر سکتی ہے اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے آزاد کشمیر میں ہمیں پوری جدوجہد کرنی چاہیئے۔

یہاں آزاد کشمیر (ابتدائی (پرائمری)، اور ثانوی (سیکنڈری) درجوں میں بچوں اور بچیوں کے لئے تعلیم مفت ہوگی۔ یہ مقدس اعلان صرف کاغذی نہیں ہوگا بلکہ ہر قدم پر اس بات کی چھان بین کی جائیگی کہ آیا جمہوریہ کے ہر گوشہ میں تمام شہری اور دیہاتی عوام کو کم از کم میٹرک

تک تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں دی گئی ہیں یا نہیں۔ ہر گاؤں میں جہاں کی آبادی کم از کم پانچ سو نفوس پر مشتمل ہوگی۔ ایک پرائمری سکول کھولا جائیگا۔ اور ہائی سکول ایسے مرکزی مقامات پر جاری کئے جائیں گے جہاں آس پاس کے دیہاتی بچے آسانی سے آ جا سکیں۔ ہر ایک ہائی سکول کے ساتھ ایک ایک بورڈنگ ہاؤس بھی ہوگا تاکہ باہر کے طلباء کو تعلیم جاری رکھنے کے لئے کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ طالبات کے لئے زیادہ سہولتیں مہیا کی جائیں گی اور ان کی نگرانی بنیادی کی جائے گی۔ میٹریکولیشن کا امتحان پاس کرنے والے طلباء کو ان کے فطری رجحان اور صلاحیت کے مطابق اعلیٰ تعلیم کے لئے چنا جائے گا صرف وہ طلباء جو اکادمی کورس کے اہل ہوں گے آرٹ یا سائنس کی ڈگری کے لئے یونیورسٹی داخلہ کے لئے نامزد کئے جائیں گے۔ جو طالب علم کسی فنی تربیت کے قابل ہوں گے ان کو ٹیکنیکل کالج میں داخل کیا جائیگا۔ اور ایسے طلباء کو جو اعلیٰ تعلیم کے معیار پر پورے نہیں اتریں گے اور آگے چلنے کے ذہنی یا جسمانی لحاظ سے لائق نہیں ہوں گے تعلیم چھوڑ کر کسی دفتر یا کارخانہ یا صنعتی ادارے میں کام پر لگ جانا ہوگا۔ کوئی بھی کارروائی اندھا دھند اور بلا سوچے سمجھے عمل میں نہیں لائی جائیگی۔ تاکہ انسانی قوت و صلاحیت یونہی رائیگاں نہ جائے۔

آزاد کشمیر کی اپنی قومی یونیورسٹی ہوگی۔ یہ یونیورسٹی مختلف قسم کے ٹیکنیکل۔ سائنس اور آرٹ کے کالجوں کے ذریعہ ملک میں تعلیم و تربیت

پھیلائے گی۔ اس کے علاوہ اس یونیورسٹی میں طب۔ انجینئرنگ۔ زراعت معدنیات اور صنعت کاری کی تعلیم بھی دی جائے گی۔ تمام کالجوں میں پڑھائی کا انتظام مفت ہوگا۔ صرف یہ شرط لازمی ہوگی کہ طلباء کی نامزدگی کی سفارش ہائی سکولوں کے ہیڈ ماسٹر کریں گے تاکہ کوئی نااہل درخواست دہندہ کالج میں داخلہ نہ لے سکے۔

ذہین اور لائق طلباء کی ان کے اس تعلیمی دور میں ہر مرحلہ پر حوصلہ افزائی کی جائے گی تاکہ ان کی تمام صلاحیتیں پوری طرح ابھر سکیں۔ کالج کی پڑھائی ختم کر چکنے کے بعد ان کو ریسرچ اور مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے واسطے تمام سہولتیں مہیا کی جائینگی۔

ہر گاؤں میں ایک چھوٹی لائبریری کھولی جائے گی۔ جہاں عام معلومات پر کتابیں مل سکیں گی۔ اس کے ساتھ ہی ایک ایک ریڈنگ روم (دارالمطالعہ) بھی ہوگا جہاں ایک آدھ روزانہ۔ چند ہفتہ وار اخبار اور اچھے ماہنامے دیہاتیوں کے لئے باقاعدگی کے ساتھ موجود رہیں گے۔ ان لائبریریوں اور ریڈنگ روموں کا انتظام مقامی لوگوں کی انتظامیہ کمیٹی کے ہاتھ میں ہوگا۔

علاوہ برآں ہر تحصیل میں ایک سفری لائبریری بھی بنائی جائیگی۔ جو علم و فن پر اچھی اچھی کتابوں کو مہینہ میں ایک بار ہر ایک گاؤں میں لے جایا کرے گی اور یہ کتابیں مطالعہ کے ان شوقین لوگوں کو دیا کرے گی جنہوں نے اپنی مقامی لائبریری سے پورا استفادہ تو کیا

کیا ہوگا مگر ان کی علمی پیاس ابھی باقی ہوگی اور وہ مزید کتابوں کی تلاش بے تابی سے کرتے ہوں گے۔ مختلف قسم کی یہ سفری لائبریریاں کتابوں کے اپنے سٹاک کو آپس میں تبدیل کرتی رہا کرینگی تاکہ دیہاتی ہر رنگ اور ہر نوع کی نئی نئی کتابیں حاصل کر سکیں اور وہ ایک ہی طرح کی کتابوں سے اکتا نہ جائیں۔

بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں لائبریریاں اور ریڈنگ روم محلہ وار کھولے جائیں گے۔ اور سفری لائبریری کی بجائے یہاں حلقہ وار بڑی لائبریریاں قائم کی جائیں گی۔

ہر ایک صنعتی ادارہ اور بیوپار منڈل جہاں ملازموں اور کاریگروں کی تعداد کم از کم دو سو ہوگی لازمی طور پر اپنی لائبریری اور ریڈنگ روم کھولیں گے تاکہ متعلقہ لوگ علمی استفادہ حاصل کر سکیں۔

آزاد کشمیر کے باشندے پردۂ سیمیں اور فلم کے ذریعہ بھی معلومات اور تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ اغلب ہے کہ یہ طریقۂ کار بہت زیادہ پھیلانا پڑے۔ ایسے سفری سینما چلائے جائیں گے جن میں وقتاً فوقتاً کئی قسم کے اچھوتے موضوع اور رنگا رنگ کی معلومات سے پُر تصاویر دکھائی جائینگی۔

ہم کاہلی۔ بے زاری۔ توہم پرستی۔ سست روی اور بیماریوں کا سدباب پسماندہ عوام کو موزوں فلمیں دکھا کر بھی کر سکتے ہیں۔ ہم اپنی اچھی اچھی فلمیں تیار کر کے اور ان کی عام نمائش سے اپنے ہم وطنوں میں قومی ترقی کا جوش پیدا کر سکتے ہیں۔ بلند فکر اور خوش امیدی کا جذبہ

اُبھارسکتے ہیں۔ جب تک خواندگی عام نہیں ہو جاتی ہمیں تعلیمی توسیع کے لئے اس نمائشی ذریعے کا سہارا لینا پڑے گا۔ اس کے بعد جب کہ ہمارے ملک میں اوسط خواندگی کافی بڑھ جائے گی ہمیں فلمی ذریعوں کو تدریس بہت مددگار ثابت ہوگا۔

ہر جمہوریت میں علم۔ تہذیب اور قوت فکری کا انحصار۔ آزاد صحافت پر ہوتا ہے۔ ہمارے اخبارات اپنی جمہوریت اور اس کے عوام کی آزادی کے آدرش کی خاطر بے باکانہ اور صحت مند تنقید کے لئے پورے آزاد ہوں گے۔ میرا یقین ہے کہ جب بھی کوئی حکومت اپنے نکتہ چیں پریس کی آزادی چھیننے کا تہیہ کرتی ہے۔ بچاری جمہوریت اُسی وقت دم توڑ دیتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ حکومت جمہوریت کش بنتی جاتی ہے۔ اور آخرکار یہ مطلق العنان آمریت آغاز کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ پہلے پہلے یہ حکومت اپنے سخت ترین قسم کے مخالفوں کا ناطقہ بند کرتی ہے۔ پھر اس کے بعد ان سے کم درجہ کے نکتہ چینوں پر ہاتھ ڈالتی ہے اور اخیر میں یہ اپنے سچے وفاداروں کو بھی کچلنے سے دریغ نہیں کرتی۔ وُہ عناصر جو عوام دشمن ہوتے ہیں میدان میں نکل آتے ہیں۔ مگر آزاد کشمیر میں اس قسم کی صورت کو کبھی پیدا نہیں ہونے دیا جائے گا۔

سوال ——— کیا آپ پست درجہ اور گھٹیا قسم کی صحافت کے وجود کو بھی آزاد کشمیر میں برداشت کریں گے؟

جواب ——— میری ہمیشہ یہ رائے رہی ہے کہ اگر حکومت تعمیری

نکتہ چینی۔ بلند معیار اور آزاد صحافت کی حوصلہ افزائی کرتی رہے۔ تو پست معیار کی صحافت نگاری خود بخود محض عدم توجہی سے اپنی موت آپ مرجائیگی۔ ایک اعلیٰ درجہ کی آزاد جمہوریہ میں گھٹیا اخباروں کو پڑھنے والا ہی کوئی نہیں ملتا۔ ان کو سختی سے دبانے سے وُہ خواہ مخواہ مظلوم بن جائیں گے اور اہمیت حاصل کرلیں گے۔ ان کو از خود ختم ہو جانے کے لئے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ ریاست کشمیر میں صورت حال برعکس رہی ہے۔ کیونکہ ڈوگرہ حکومت بلند معیار۔ صحت مند تنقید کرنے والے اور غیر جانبدار اخبارات کا تو گلا گھونٹتی رہی ہے مگر اس کے مقابلے پر چاپلوس۔ غیر معیاری اور جمہور کش اخبارات کی پیٹھ ٹھونکتی رہی ہے۔ لیکن آزاد کشمیر میں ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔

آزاد کشمیر میں آزاد اور معیاری اخبارات ہی علم اور تہذیب کی صحیح نشوونما کرسکیں گے۔ ان کے کئی ایک شعبے اور مخصوص حصے ہوں گے۔ ان کا موضوع نہ صرف سیاست نگاری ہوگا بلکہ یہ معاشرت۔ فلسفہ۔ طب۔ سائنس۔ صنعت و حرفت۔ اقتصادیات۔ انجینئرنگ۔ زراعت اور دوسرے قومی مسائل پر بھی خامہ فرسائی کریں گے۔ ان کا حلقہ اشاعت وسیع ہوگا اور مشکل سے ایسا شخص ملے گا جو ہر روز کوئی نہ کوئی اخبار نہ پڑھتا ہو۔ اب تک مصوری۔ موسیقی۔ سنگتراشی اور رقص وغیرہ قسم کے فنون لطیفہ کو ہمارے مدارس کے درسی نظام سے عملی طور پر خارج کیا جاچکا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں صرف غیر سرکاری مساعی کو بروئے کار لایا گیا ہے۔

چونکہ حکومت کی جانب سے جیسا کہ تمدنی اعتبار سے پسماندہ ملکوں کا دستور ہے ایسے غیر سرکاری اداروں کی حکومت کی طرف سے سرپرستی تو کجا معمولی سی حوصلہ افزائی بھی نہیں ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فنونِ لطیفہ کی یہ تمام کوششیں افسوسناک طور پر ناکام ثابت ہوئیں۔

چند سال پہلے حکمتِ (رقص) رَوہ (گیت) ہماری نسوانی دُنیا میں بہت مقبول تھے۔ مگر ہر دو تہذیبی انحطاط اور عدم توجہی کے باعث اب نابود ہو گئے ہیں۔ ہمیں اپنے لوک گیت اور ناچ دوبارہ زندہ کرنے ہونگے اور انہیں پروان چڑھا کر عوام میں ہر دل عزیز کرنا ہوگا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ قدیم کشمیر میں مصوری۔ مجسمہ سازی اور دوسرے فنونِ لطیفہ انتہائی عروج پر تھے۔ ہمارے اسلاف نے فنِ لطیف میں جس قدر بلند معیار مہارت حاصل کی تھی۔ اس کی یاد اب بھی اِن آثارِ قدیمہ سے تازہ ہو جاتی ہے جو ریاست کے مختلف مقامات سے کھدائی کرنے پر برآمد ہوئے ہیں۔ اِن آثار میں سے چند ایک کتنے حسین اور نظر افروز ہیں۔ اس کا اندازہ ایک ذوقِ سلیم رکھنے والی اور قدر شناس نگاہیں ہی کر سکتی ہیں۔ اِن نقوش کے سحر طراز حسن کو سمجھنے کے لئے اپنے عوام میں ہمیں ذوقِ لطیف پیدا کرنا ہوگا۔ آزاد کشمیر کے آئندہ تعلیمی نظام میں اشاعتِ فنونِ لطیفہ ایک غیر منفک جزو کی حیثیت رکھے گی۔ پرائمری جماعتوں کے طلباء اور طالبات کو فنِ مصوری کی مبادیات کی تربیت دی جائے گی تاکہ وہ اوائل عمر سے ہی زندگی کو سمجھنے اور سمجھانے کے

ڈھنگ سیکھ سکیں۔ تعلیم کے کسی بھی مرحلہ پر فنِ لطیف کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ اعلےٰ جماعتوں کے صرف اِن طلباء کو فنونِ لطیفہ کی طرف مائل کیا جائے گا جن میں فطری رجحان اور صلاحیت موجود ہوگی۔

سائنس کی طرح فنونِ لطیفہ کی نشوونما کے لئے بھی مخصوص سرکاری ادارے (اکادمی) قائم کئے جائیں گے۔ اس فن کی اشاعت و ترویج کرنے والے تمام غیر سرکاری اداروں کی مدد۔ سرپرستی اور حوصلہ افزائی ہمارے قومی کلب اور انجمنیں کیا کریں گی۔ اِن اداروں کی تنظیم ٹریڈ یونین سسٹم پر کی جائے گی۔ قومی کلب اور انجمنیں اِن کی مدد ہر جائز طریقہ سے کریں گی۔ اور فنکاروں کے مفادات کی حفاظت کر کے اِن کو ترقی کی تمام سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کریں گی۔ ہماری یہ انتہائی بدنصیبی ہے کہ ہم اس حقیقت کے احساس سے قطعی کورے ہو چکے ہیں کہ کسی ملک کی تمدنی ترقی کا معیار صرف فنونِ لطیفہ سے پرکھا جا سکتا ہے۔

قدیم زمانے میں خطۂ کشمیر ہر لحاظ سے انتہائی عروج پر تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس ملک نے ہندو راجگان کے طویل عہدِ حکومت سے لے کر مسلم سلاطین اور مغل شاہنشاہوں کے دور تک قابلِ رشک ترقی کے مدارج طے کر لئے تھے۔ بڑے بڑے مفکر۔ علامہ۔ مشہور شاعر۔ مشاق صنعت کار۔ مؤرخ۔ منجم۔ طبیب۔ سنگ تراش اور دوسرے فنکار اس حسین سرزمین نے پیدا کئے۔ اِن کی شہرت کا ڈنکہ صدیوں

ساری دنیا میں بجتا رہا۔ مگر افاغنہ کے عہد میں ہماری عظمت و شہرت کا ستارہ نحوست کی گردش میں آ گیا۔ ساری ترقی ایک دم رُک گئی اور سیاہ بختی کا یہ دَور سکھوں اور ڈوگروں کے وحشی اور سفاکانہ راج میں اور زیادہ تاریک ہو گیا۔ تاریخ کے اِن گھناؤنے ایام میں کسی کشمیری نے کوئی قابلِ ذکر فنی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ اس سے زیادہ بدقسمتی یہ ثابت ہوئی کہ ہم نے اپنے اسلاف کے دو ہزار سالہ ترکے کو جو تمدنی و تہذیبی روایات اور آثار کی صورت میں ہمارے پاس موجود تھا اس طرح فراموش کر دیا گویا یہ کبھی تھا ہی نہیں۔

اب ہم اس مُردہ قومی روح کو دوبارہ زندہ کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اس مجاہدانہ تگ و دَو کا مقصد صرف سیاسی اقتدار نہیں ہے بلکہ یہ اپنی تہذیب کو ایک بار پھر اُبھارنے اور سربلند کرنے کی کوشش ہے اور یہ ہمارے مقدس نصب العین کا ایک بنیادی ستون ہے۔ جب تک ہم اپنے اسلاف کے چھوڑے ہوئے اِن بیش بہا خزانوں کو مٹی کی ان گنت تہوں کے نیچے سے باہر نہیں نکال لیں گے ہماری تمدنی ترقی کی تحریک غیر مکمل رہے گی۔ یہ خزانے ہمارے لئے سرمایۂ ناز ہیں۔ کیونکہ ہم ہی اِن کے جائز وارث ہیں۔ مادرِ وطن (کشمیر) کے ہر فرزند کو اپنے بزرگوں کی شوکت و عظمت کی اِن یادگاروں سے روشناس کرایا جائے گا۔

جمہوریۂ آزاد کشمیر میں آثارِ قدیمہ اور علمی تحقیقات کا شعبہ قائم

کیا جائے گا۔ اس شعبہ کو ایسے ذہین۔ تعلیم یافتہ اور محنتی نوجوانوں کے سپرد کیا جائے گا کہ جن کا علمی ذوق بہت بلند ہو گا۔ یہ فخر صرف ہمیں حاصل ہے کہ سارے ہندوستان میں سے صرف کشمیر ہی ایک ایسا خطہ ہے جس کی پانچ ہزار سالہ مسلسل تاریخ موجود ہے۔ یہ تاریخ راج ترنگنی کے نام سے اس ملک کے مشہور شاعر "کلہن" نے لکھی تھی۔ لیکن یہ ہماری اپنی کمزوری ہے کہ ہم اس ادب پارہ کی علمی اور تحقیقانہ پہچان بین کر کے اسے معیاری صورت میں دُنیا کے سامنے پیش نہ کر سکے۔ البتہ غیر ملکی محققین نے اس مُبارک کام میں تھوڑا بہت حصّہ لیا ہے۔ پھر بھی یہ کام اُدھورا اور تشنہ پڑا ہے۔ اب ہم بڑی کاوش کے ساتھ اس کی تکمیل کریں گے۔ آثارِ قدیمہ اور تحقیق کا بے شمار کام اِس خطہ میں بکھرا پڑا ہے جتنی جلدی ہم اِس کی طرف متوجہ ہوں گے اتنا ہی زیادہ بہتر ہو گا۔ اور اِس طرح آزاد کشمیر کا معمولی سا شہری بھی اپنے قدیم مفکرین کے بلند معیار کارناموں سے واقف ہو جائے گا۔

سوال ——— آزاد کشمیر میں مذہب کی حیثیت کیسی ہو گی؟ کیا کوئی خاص ملکی مذہب بھی ہو گا؟ یعنی ایسا مذہب جس کی حکومت سرپرستی کیا کرے گی۔ علاوہ اس کے کیا کسی دہریئے یا مادہ پرست کو بھی اپنے خیالات کے پرچار کی اجازت ہو گی؟

جواب ——— آزاد کشمیر میں ضمیر کی پوری آزادی ہو گی۔

کسی شخص کو کسی طرح بھی کوئی مخصوص عقیدہ یا مذہب اختیار کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لوگ اپنے مذہب اور خدا کے متعلق خیالات کے اظہار کے لئے پورے آزاد ہوں گے۔ حکومت کسی فرقہ یا مذہبی گروہ کی ان سرگرمیوں کی نہ تو اعانت کرے گی اور نہ ہی ان کی راہ میں روڑے اٹکائے گی۔ تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی ذمہ دار حکومت ہوگی۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے اس میں کسی قسم کا امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ کیونکہ آزاد کشمیر میں تمام مسلم۔ غیر مسلم۔ ہندو۔ سکھ۔ عیسائی۔ بدھ۔ مادہ پرست۔ ناستک۔ اور دہریئے اپنے ضمیر کے معاملہ میں اتنے ہی آزاد ہوں گے جتنے کہ پیروان اسلام ہوں گے۔ لیکن کسی فرد یا جماعت کو مذہب کی آڑ میں تشدد کے پرچار کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ آزاد کشمیر میں جسمانی، ذہنی اور روحانی آزادی ایک بنیادی حق قرار دی جائے گی۔ تو قدرتی طور پر تمام افکار نظریات عقائد اور آراء ہر قسم کے احتساب سے آزاد ہوں گے۔

اس روحانی اور ذہنی آزادی سے یہ مقصود ہوگا کہ آزاد کشمیر کے عوام مذہب کے متعلق تمام نظریات کا عمیق جائزہ لے کر از خود حقیقت کو پاسکیں۔ اگر کسی رائے کو دبا دیا گیا تو حقیقت شناسی ناممکن ہو جائے گی۔

سوال ——— آزاد کشمیر میں آپ کونسی قومی زبان۔ تجویز کریں گے۔ اور تعلیمی اداروں میں کونسی زبان ذریعہ تعلیم قرار دی

جائے گی؟

جواب ——— ہر ملک کی وہی زبان قومی قرار دی جاتی ہے جو اس کے عوام بولتے ہوں۔ خطۂ کشمیر کے لوگ کشمیری بولی بولتے ہیں۔ اور قدرتی طور پر ہماری قومی زبان یہی ہونی چاہیئے تھی۔ مگر دو وجوہات ایسی ہیں کہ جن کی بناء پر ایسا ہونا غیر ممکن ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے ساتھ الحاق کر کے ہم علاقائی حیثیت کا محدود نقطۂ نظر اختیار نہیں کر سکتے۔ ہمیں پاکستان ایسی وسیع و عریض مملکت کے باشندے کی حیثیت سے اس مسئلہ کو وسیع نظری سے دیکھنا ہوگا۔ اگر آپ اس زاویۂ نگاہ سے اس مسئلہ کا جائزہ لیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ فارسی رسم الخط میں اردو ہی ہماری قومی زبان کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ اور ایسا ہونا ایک ضروری امر ہے کیونکہ اس رسم الخط میں اردو زبان ایک سو سال سے ہمارے یہاں دفتری زبان کی حیثیت سے (ڈوگرہ راج میں بھی) رائج چلی آرہی ہے۔ ہمارے ملک کا یہ تعلیم یافتہ طبقہ خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو اردو بخوبی پڑھ لکھ سکتا ہے۔ یہی زبان ہمارے سکولوں میں شروع سے پڑھائی جارہی ہے۔ ہمارے تمام اخبارات اسی زبان میں چھپتے ہیں۔ پس اس زبان پر کوئی اعتراض عائد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری وجہ کشمیری قومی زبان نہ بننے کی یہ ہے کہ نہ تو اس زبان کا کوئی خاص رسم الخط ہے اور نہ ہی

ابھی یہ اتنی ترقی یافتہ ہے کہ قومی زبان ایسے اہم درجہ کے لائق سمجھی جائے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کشمیری زبان جوں کی توں حالت میں رہے گی۔ بلکہ جمہوریہ آزاد کشمیر اس زبان کو سائنٹیفک رسم الخط میں لکھنے۔ اس میں معیاری ادب کی تخلیق کرنے اور اس کی پوری نشوونما کے امکان پر توجہ ضرور دے گی۔

ممکن ہی کہ کشمیری زبان میں درسی کتابیں کافی تعداد میں دستیاب ہونے لگیں گی اس کو پرائمری اور مڈل جماعتوں میں ذریعۂ تعلیم قرار دے دیا جائے گا۔ رفتہ رفتہ میٹرک معیار کی پڑھائی میں بھی اس زبان کو رائج کیا جائے گا۔ اور ہر قسم کے مضامین کی کتابیں اس میں لکھی اور چھاپی جائیں گی۔ مگر اُردو کو آزاد کشمیر کے تمام مدارس میں چھٹی جماعت سے پڑھنا لازمی قرار دیا جائے گا۔ یونیورسٹی میں بھی ذریعۂ تعلیم صرف اُردو ہوگا۔

کشمیری زبان کے لئے رسم الخط۔ شاردا یا فارسی ہو سکتا ہے۔ لیکن شاردا پیتی میں سوائے اس وصف کے کہ اس میں کشمیر قدیم کا ادب موجود ہے اور کوئی خاص خوبی نہیں ہے۔ اس کے برعکس فارسی رسم الخط میں ہر وہ خوبی موجود ہے۔ جس کی بناء پر اس میں اُردو کو قومی زبان کی حیثیت سے رائج کیا جا سکتا ہے۔ اور اِن طلباء کو جو فارسی پیتی میں کشمیری جانتے ہوں گے چھٹی جماعت میں اردو پڑھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔

سوال ——— آزاد کشمیر کی اقلیتوں کے تمدّن کے تحفّظ کا آپ کون سا طریقہ کار تجویز کریں گے؟

جواب ——— میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے اس سے آپ کو معلوم ہو جانا چاہیئے تھا کہ آزاد کشمیر کی عملداری میں جہاں ہر فرد۔ ہر گروہ اور ہر فرقہ کو اپنے مخصوص تہذیب و تمدّن کے مطابق زندگی بسر کرنے کی پوری آزادی ہوگی وہاں جدید اور ترقی یافتہ انسانی تہذیب کی نشوونما کے لئے ساتھ ساتھ مساعی جاری رکھی جائیں گی۔ اس کا تانا بانا تمام تمدّنوں کی اعلیٰ اور مستقل قدروں سے تیار کیا جائے گا۔ اور یہ نیا تمدّن ایک طرح کا سب تہذیبوں کا بہترین مرکّب ہوگا۔ لہٰذا اقلیتوں کو کسی قسم کا ڈر اپنے دل میں نہیں رکھنا چاہیئے ہاں یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ میرے تصوّر کے مطابق آدمیّت کا یہ نیا نظام قائم کرنے میں وقت لگے اس لئے عبوری دور میں اقلیتوں کے لئے بآرام اور بغیر کسی دباؤ اور خوف کے زندگی بسر کرنے کے مواقع بہم پہنچانے ضروری ہوں گے تو اس سلسلہ میں یہ تشریح کی جاتی ہے کہ وہ اپنی خواہش اور ضروریات کے مطابق ایسے علیحدہ مدارس قائم کرنے کے لئے آزاد ہوں گے جہاں اِن کے بچوں کو ہندی اور سنسکرت اِن کے پروگراموں کے مطابق پڑھائی جا سکے گی۔ اِن کے اس تعلیمی پروگرام میں نہ تو حکومت خود ہی دخل انداز ہوگی اور نہ ہی کسی غیر سرکاری ادارہ کو ایسا کرنے کی اجازت

دے گی۔ اقلیتی افراد کی ذاتی زندگی کے ضوابط کی پوری حفاظت کی جائے گی بشرطیکہ ان کے یہ ضوابط جمہوریہ آزاد کشمیر کے بنیادی اُصول سے متصادم نہ ہوتے ہوں۔

سوال ——— آزاد کشمیر حکومت کی قانونِ بندش گاؤکشی کے متعلق جو آج کل ریاست بھر میں نافذ ہے کیا پالیسی ہوگی؟

جواب ——— گاؤکشی کی بندش کا موجودہ قانون ریاستی دستور میں محض ہندو راج اور ہندو دھرم کے جذبات کے احترام کی خاطر شامل کیا ہوا ہے۔ اس کے برعکس مسلم قوم کے جذبات اور مشکلات پر کبھی ہمدردانہ غور نہیں کیا گیا۔ یہ سراسر وحشت و بربریت ہے کہ کسی جانور کے خواہ وُہ گاؤ ماتا ہی کیوں نہ ہو۔ ذبح کرنے کی پاداش میں ایک انسان کو دس سال کی قید بامشقت دی جائے۔ یہ قانون مسلمانوں کے لئے بے حد ظالمانہ ہے۔ آزاد کشمیر کے آئین میں اس قسم کے غیر معقول قوانین کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ تاہم اس سلسلہ میں دو ایسے اُمور ہیں جن پر غور کرنا اشد ضروری ہے۔ پہلے گاؤکشی کا اس طرح جائزہ لینا کہ جس سے پہلو نکلے کہ یہ اقدام مال مویشی ایسی مفید دولت کے تحفظ کے سراسر منافی ہے۔ اور گاؤکشی کا اقدام اس خیال سے کرنا کہ یہ ہمارا جائز حق ہے اقتصادی لحاظ سے بے حد ضرر رساں ثابت ہوگا۔ قومی فلاح

کی خوشحالی و آسودگی کے لئے ضروری ہے۔ جوان سال صحت مند۔ اور مفید مال مویشی کی پوری حفاظت اور نگرانی کی جائے۔ دوسرے آزاد کشمیر کی حکومت ہندوؤں اور سکھوں کے گہرے مذہبی جذبات کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکے گی۔ آزادی خواہ۔ سمجھ دار اور معقولیت پسند مسلمانوں کی حمایت کے ساتھ کھلم کھلا گاؤکشی پر بندش عائد کی جائے گی اور اس صورت میں جب یہ دیکھا گیا کہ کسی شخص نے محض ہندو اور ہندو سکھ قوم کے مذہبی جذبات کو کچلنے کے لئے عمداً گاؤکشی کا فعل کیا ہے تو ایسے مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائیگی۔

سوال ——— آپ نے بار بار اخلاق کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ آزاد کشمیر کا ہر ایک شہری نہایت اعلیٰ اخلاق کا مالک ہوگا۔ کیا آپ اس اخلاق کے معیار اور اس کی بنیاد کی تصریح کریں گے؟

جواب ——— آزاد کشمیر کے شہری اس لئے بلند اخلاق کے مالک سمجھے جائیں گے کہ وہ معقولیت پسند ہوں گے ان کو اپنی نیک چلنی اور خوبیٔ اخلاق کا صلہ حاصل کرنے کا نہ دُنیا میں للچ ہوگا اور نہ ہی آخرت میں۔ وُہ کسی مافوق الفطرت طاقت کے عتاب کے خوف سے نیکی کی طرف راغب نہیں ہوں گے۔ بلکہ وُہ وجدانی طور پر محسوس کریں گے کہ اعلیٰ کردار و اخلاق انسان کی سرشت کا خاصہ ہیں۔ اور انسانی ترقی و خوشحالی کے لئے ناگزیر ہیں۔ اچھی زندگی گذارنا دائمی مسرت کا ذریعہ ہے۔ نیکی آپ اپنا انعام

ہے - ہمارا اعتقاد ہے کہ چونکہ فطرت کے مخصوص ضابطہ کے تحت انسان کا ظہور ہوتا ہے - اس لئے یہ پیدائشی طور پر ضابطہ پسند اور معقولیت پرست ہوتا ہے - جب یہ غیر معقول اعمال کرے گا تو اس کا صاف مطلب ہوگا - کہ اس نے اپنی فطرت کے خلاف بغاوت کی ہے - اس کا ہر وجدانی احساس و عمل معقولیت پر اساس رکھتا ہے اور یہ معقولیت پسند عمل اخلاق کا دوسرا نام ہے - ایسا ضابطۂ اخلاق جو معقول اصول پر مبنی نہ ہو انسانی آزادی اور معاشی عدل کا ضامن نہیں ہو سکتا - یہ انسان اور انسان میں امتیاز کی خلیج حائل کر دیتا ہے - آدمیت کو مجبور و محکوم بنا دیتا ہے اور فرد سے اس کی فطری عظمت - شوکت اور منفرد شخصیت کا جوہر چھین لیتا ہے ۔

پانچواں باب

سماجی پروگرام

سوال ——— میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ عوام کا معیار زندگی بڑھانے کے پروگرام پر آپ کس طرح عمل کریں گے ؟ ذرا اس پر مزید روشنی ڈال دیجئے ۔

جواب ——— میں نے اب تک جو کچھ اس سلسلہ میں کہا ہے آپ نے اس سے جائزہ لے لیا ہوگا کہ آزاد کشمیر کی اقتصادیات کا ڈھانچہ ایسی بنیادوں پر استوار کیا جائے گا کہ پیداوار کا ہر ذریعہ خواہ وہ زراعت ہو یا صنعت کاری - ہر قسم کی لوٹ کھسوٹ اور منافع بازی کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کرے گا ۔

موجودہ دور کے علی الرغم کوئی شے بھی نفع کمانے کی نیت سے تیار نہیں کی جائے گی - ہر پیداوار ضابطہ کے ماتحت اور عوام کی ضروریات پوری کرنے کے مطابق ہوگی - صرف یہی ایک عذیہ محنت

کسانوں کے ذہنی انقلاب کا باعث ہو سکتا ہے۔ فی زمانہ وہ مزدور جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے لئے پیداوار کی مقدار اور قسم کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس کا اثر ان کی اُجرت پر کچھ بھی نہیں پڑتا۔ اپنی طرزِ فکر بدلنے پر مائل ہونگے۔ اور جب ان کو یہ یقین ہو جائے گا کہ جو کچھ وہ تیار کر رہے ہیں ان کی اپنی ملکیت ہے تو پھر زیادہ انہماک اور سرگرمی سے کام کرنا شروع کر دیں گے۔ یہ ہوگا محنت کشوں کا ذہنی انقلاب۔ علاوہ اس کے آزاد کشمیر کے محنت کشوں کو جو تکنیکی امداد ملے گی۔ اس سے بھی یقیناً پیداوار کی مقدار بڑھ جائے گی۔ اگر ایسے حالات میں ہمارے ملک کی مقدار پیداوار میں آج کل کی نسبت کئی گنا زیادہ اضافہ ہو جائے تو حیرانی کی بات نہیں ہوگی۔

سوال ——— مجھے اس سے اتفاق ہے لیکن ذرا صاف صاف بتایئے کہ اس فاضل پیداوار سے عوام الناس کو کس طرح فائدہ پہنچایا جائے گا؟ کیا یہ بھی نئے حکمران طبقہ کے تصرف میں چلی جائے گی اور عوام موجودہ حالت کی مانند ویسے کے ویسے رہیں گے؟

جواب ——— اقتصادی اور تمدنی منصوبہ بندی کی طرح آزاد کشمیر کے سامنے عوام کی معاشرتی آزادی کا بھی لائحہ عمل ہوگا جس کے تحت کوئی طبقہ بنا ہو یا پرانا عوام یا اس کے کسی حصہ کی لوٹ کھسوٹ

نہیں کر سکے گا۔ بلکہ اس سماجی لائحہ عمل کے مطابق:۔

(ا) جمہوریہ آزاد کشمیر کی اہم ذمہ داری ہوگی کہ وہ ہر مرد اور عورت کو مناسب کام مہیا کرے بشرطیکہ وہ کام کرنے کے خواہشمند ہوں۔

(ب) ہر ایسی صورت میں جبکہ کوئی شخص اپنے مطالبہ کے باوجود کوئی کام حاصل نہ کر سکے گا تو حکومت اس شخص کو اپنا اور اپنے اہل و عیال کیلئے "مکمل گذارہ" ادا کرنے کے لئے پابند ہوگی۔

(ج) تمام محنت کش کام کی مقدار اور نوعیت کے مطابق اُجرت حاصل کریں گے۔ اُجرت کا تعین محنت کش اور اس کے اہل و عیال کی تمام ضروریات مثلاً خوراک۔ لباس اور رہائش کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے گا۔

(د) ہر محنت کش سال بھر میں ایک ماہ کی رخصت رعایتی مع تنخواہ کا مستحق ہوگا۔ اس کے علاوہ دس روز کی رخصتِ اتفاقیہ کا بھی حقدار ہوگا۔ ہفتہ ½ ۵ ایام کا تصور ہوگا۔ کسی محنت کش سے سات گھنٹے یومیہ سے زائد کام نہیں لیا جائے گا۔

(ر) ہر محنت کش معاوضہ۔ پنشن اور زندگی کے بیمہ کا حقدار ہوگا۔

(س) مزدور عورتیں دو ماہ کی رخصت زچگی یعنی ایک مہینہ زچگی سے پہلے اور ایک مہینہ زچگی کے بعد مع تنخواہ کی مستحق ہوں گی۔

(ش) بڑے بڑے صنعتی اداروں اور تجارتی مراکز کے ساتھ جہاں مزدور عورتوں کی کافی تعداد ہوگی ایسی پرورش گاہیں تیار کی جائیں گی

جہاں ان کے بچوں کی کام کے اوقات میں پوری نگہداشت کی جائے گی۔

سوال ——— آپ اس لائحہ عمل کا اطلاق سرکاری ملازمتوں پر کس رنگ میں کریں گے؟

جواب ——— جمہوریہ آزاد کشمیر میں ایک وزیر اور چپڑاسی کی تنخواہ میں بہت کم فرق ہوگا۔ دونوں کی مساویانہ انسانی حیثیت کو تسلیم کیا جائے گا اور ان کی مساوی ضروریات کا یکساں لحاظ رکھا جائے گا۔ کلرکوں اور اساتذہ کی موجودہ ذلت آمیز اقتصادی حالت اور اس کے مقابلہ میں اعلیٰ اہلکاروں کی تعیش کی زندگی ماضی کی بات بن جائے گی۔ اور یہ امتیاز ہر معقول اور آزاد خیال شخص کی نظروں میں قابلِ مذمت ہوگا۔ ہر ایک سرکاری ملازم خواہ وہ کتنے ہی اونچے درجہ کا کیوں نہ ہو۔ معتدل معیار زندگی کی سطح پر گذارہ کر سکے گا اور اس کی تنخواہ اس معیار کے مطابق ہوگی۔ اس تفریق سے عوام کے سماجی معاملات بے جان میکانکی اور سپاٹ نہیں بن جائیں گے بلکہ ہر ملازم اپنی بنیادی تنخواہ کے علاوہ اپنے معیار۔ اپنی ذمہ داری اور فرائض کی انجام دہی کی اہلیت کے مطابق مزید سہولتیں اور رعائتیں بھی حاصل کر سکے گا۔ لیکن ایسی صورت حال بھی گوارا نہیں کی جائے گی کہ عام ملازم تو کم تنخواہوں کے سبب نیم فاقہ کشی کی زندگی بسر کریں اور اس کے مقابلے پر چند مٹھی

بھر بڑے بڑے آفیسر بھاری تنخواہوں سے عیش اڑائیں۔ اس قسم کی سماجی ناانصافی آزاد کشمیر میں کبھی سر نکال نہیں سکے گی۔

فی الحال اس قسم کی سماجی مساوات کا لاگو ہونا ناقابل یقین۔ غیر ممکن امر اور واہمہ سا معلوم ہو رہا ہے۔ ہماری سماج میں ایسی خرابیاں موجود ہیں کہ جو گویا ہم اپنے جنم سے لے کر آتے ہیں۔ مرنے تک ساتھ رکھتے ہیں۔ آنکھ کھولتے ہی ان ہی سماجی برائیوں سے ہمیں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور ہم انہیں قبول کر لینے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ لیکن جب ہمارے ہاں ذہنی اصلاح کے ساتھ ذہنی انقلاب بھی پیدا کر دیا جائے گا اور ہم روپے پیسے کی نسبت آزادی کی قدر و قیمت کا زیادہ احساس کر سکیں گے تو ہمیں پتہ چل جائے گا کہ ہماری سماج کے ہر پہلو پر چھائی ہوئی یہ خرابیاں بالکل غیر فطری ہیں۔ اور عقل و شعور کا تقاضا ہے کہ انسانی مساوات کی بنیادوں پر صرف معاشری عدل کا نظام قائم کیا جائے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو آنے والی نسلیں یہ جان کر افسوس کریں گی کہ ہم کس قدر غیر منصفانہ سماجی ماحول میں بے حس زندگی گذارنے پر قانع تھے۔

آزاد کشمیر میں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔ بلکہ دونوں زندگی کے ہر شعبہ میں برابر کے درجہ کے مستحق ہونگے۔ ایسا کوئی پبلک عہدہ یا اعزاز نہ ہوگا جس کی اہل عورت نہیں سمجھی جائے گی۔ فوجی اور سول ملازمت کے دروازے ان پر کھلے ہونگے۔ وہ اپنے وطن کی آزادی کی خاطر مردوں کے دوش بدوش میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت بھی دیں گی۔ سکولوں

اور کالجوں میں ہمارے بچے ایک ہی ڈسک پر بچیوں کے ساتھ بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں گے۔ جنسی اعتبار سے طلباء اور طالبات کا جداگانہ طریقہ تعلیم قوم میں کئی قسم کی بیماریاں پیدا کر کے اسے ناکارہ بنا دیتا ہے۔ یہ فطرت اور انسانیت کے نزدیک ایک بھیانک جرم ہے۔ ہم اپنے بچوں اور بچیوں کی اس طریقہ سے مخلوط پرورش کریں گے کہ بلوغت پر پہنچ کر ان کے دلوں میں چھپا ہوا چور ڈاکٹر دوسرے سے خوف اور جھجک بالکل موجود نہیں رہیگی۔

آزاد کشمیر کے باشندوں کی صحت کی ذمہ دار حکومت ہوگی۔ اس جمہوریہ میں ایسا کوئی شخص نظر نہیں آئے گا جس کو طبی امداد میسر نہ ہو۔ جمہوریہ کے طول و عرض میں شفاخانوں، ڈسپنسریوں، ضبط تولید کے اداروں اور صحت گاہوں کا ایک جال بچھا دیا جائے گا کہ ہر گاؤں اور ہر قریہ ان سے آسانی کے ساتھ مستفید ہو سکے گا۔ ان میں ہر قسم کی ادویات کا سٹاک اور دوسرا ضروری سامان ہر لحظہ موجود رہے گا۔ خاص خاص بیماریوں کے قلع قمع کے لئے مخصوص ہسپتال اور ماہر ڈاکٹر ہونگے۔ عورتوں کے علاج معالجے پر خاص توجہ دی جائے گی۔ ہر ایک ڈسپنسری کے ساتھ ضبط تولید کا ادارہ قائم کیا جائے گا۔ جہاں زیادہ اولاد کی خواہش نہ رکھنے والے لوگوں کو ضروری امداد اور ہدایت دی جایا کریگی۔ معقول وجوہات پر مثلاً جسمانی کمزوری وغیرہ کی صورت میں اسقاط حمل کو قانونی طور پر جائز قرار دیا جائے گا۔ اور حمل خارج کرانے والی عورتوں کو حمل کے کسی بھی درجہ پر متعلقہ ڈاکٹر ہر وقت مدد اور پوری سہولت مہیا کریگے۔ بچوں کی دیکھ بھال کے لئے علیحدہ شفاخانے بنائے جائیں گے۔

تاکہ آیندہ نسل کی نشوونما بہتر ہو سکے۔ ان شفاخانوں میں بچوں کی مخصوص بیماریوں کا علاج کیا جائے گا اور ماؤں کو بچوں کی نگہداشت اور اُن کی صحت برقرار رکھنے کے طریقوں کی تربیت دی جائے گی۔ تاکہ ایسی بیماریوں کا سدباب ہو سکے جن سے بچوں کے شرح اموات عموماً بڑھ جاتی ہے۔

صحتی مرکزوں۔ زراعتی فارموں۔ مدرسوں۔ کالجوں اور دوسرے قسم کے اداروں کے ساتھ جہاں پانچ سو سے زائد نفوس باقاعدہ کام کرتے ہوں گے۔ اس قسم کے شفاخانے کھولے جائیں گے۔ سکولوں اور کالجوں میں طلباء کو "فوری امداد" کی تربیت دی جائے گی۔

یہ آزاد کشمیر کی صحت عامہ کے منصوبہ کا صرف احتیاطی اور انسدادی پہلو ہے ہم اس سکیم میں تعمیری اور مستقل اصولوں کو بھی شامل کریں گے۔ ہماری آزاد حکومت میں ہر شخص کا ہر چھ ماہ کے بعد طبی معاینہ کیا جائے گا۔ اس معاینہ کی کوئی فیس یا خرچ وصول نہیں کیا جائے گا۔ ہر باشندے کی جسمانی صحت کی ترقی اور تنزلی کا پورا ریکارڈ رکھا جائے گا۔ ڈاکٹر ہر شخص کو صحت کے بارے میں مفت مشورہ دیا کریں گے اور نگرانی کریں گے کہ ان کے مشورہ پر عمل کیا جا رہا ہے یا نہیں۔ اور آیا اس عمل میں کوئی مادی رکاوٹ تو حائل نہیں ہے۔

آجکل ہمارے عوام کا بیشتر حصہ اکثر بیماریوں کا شکار بنتا رہتا ہے کیونکہ خوراک کی کمی اور اس کے ناقص ہونے کے باعث ان میں قوت مقاومت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ آزاد کشمیر کا ادارہ صحت عامہ اس بات کی نگرانی کرے گا کہ آیا ہر باشندہ کی گزران اچھی ہو رہی ہے اور کیا اس کی آمدنی معمولی معیار صحت

قائم رکھنے کے قابل ہے ؟ اس کے علاوہ عوام کے خورد و نوش کے طور طریقوں میں بھی اصلاح اور تبدیلی کی جائے گی۔ عوام کو اتنی اچھی خوراک ملنی چاہئے کہ جس میں غذائیت کا عنصر بہت زیادہ ہو۔ یہ خوراک آج کل کے اچھے کھاتے پیتے لوگوں کی خوراک سے بھی اعلیٰ ہونی چاہئے۔ عوام اپنی لاعلمی کے باعث ایسی خوراک کے پیچھے لگے ہوئے ہیں کہ جس میں غذائیت کم ہوتی ہے اور وہ چیزیں استعمال نہیں کراتے جن میں غذائیت کافی مقدار میں موجود ہو۔ اس حالت کو دور کرنے کے لئے پوری جدوجہد کی جائے گی۔ عوام کو ہر خوردنی شے کی اہمیت اور قدر سمجھائی جائے گی۔ معمولی کی نسبت زیادہ غذائیت والی اشیائے خوردنی زیادہ مقدار میں پیدا کی جائیں گی۔ اسی طرح مدارس میں طلباء کو جسمانی نقاہت اور کمیٔ خون کے عارضوں میں مبتلا ہوتے ہیں اعلیٰ قسم کی مفت غذا دی جائے گی تاکہ ان کی یہ کمزوریاں رفع ہو سکیں۔

قومی صحت کی ترقی کے لئے اس ماحول کو بھی بدلنا پڑے گا جس میں ہمارے عوام آجکل زندگی کی سانس لے رہے ہیں۔ ہمارے شہروں۔ قصبوں اور دیہات کی گندی اور ناصاف فضا ہماری قومی صحت کو اندر ہی اندر چاٹ رہی ہے۔ پرانی عمارتوں کو گرا کر ہمیں شہروں، قصبوں اور دیہات کی از سر نو تعمیر کرنی ہوگی۔ اور اس سارے کام کو صفائی۔ تفریح اور صحت عامہ کی منصوبہ بندی کے مطابق پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔ کوئی ایسا شہر یا قصبہ نہ ہوگا جس میں لوگوں کی سیر و تفریح کے لئے پارک تیار نہ

کئے گئے ہوں۔ عورتوں اور بچوں کے لئے علیحدہ پارک بنائے جائیں گے رہائشی مکان اعلیٰ سکیم کے مطابق بنائے جائیں گے تاکہ کم سے کم اخراجات سے عوام کو زیادہ سے زیادہ مکانیت اور دوسری سہولتیں حاصل ہو سکیں۔

فی زمانہ حمل و نقل کی آسانی میسر نہ ہونے کے سبب عوام کو ضروریات زندگی حاصل کرنے میں اکثر تکالیف درپیش رہتی ہیں۔ آزاد کشمیر میں ان تکالیف کو رفع کرنے کی غرض سے ہر گاؤں کو پکی سڑکوں کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ بڑے بڑے شہروں کی سڑکیں تارکول سے پکی کی جائیں گی اور جہاں یہ شہروں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیں گی وہاں ان کا سلسلہ دیہات کے ساتھ بھی جوڑ دیا جائے گا اس امر کا جائزہ لینا ہماری کوششوں میں شامل ہوگا کہ تمام گاؤں گاڑیوں کی سڑک کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو چکے ہیں یا ابھی تک وہاں ٹٹوؤں کی پگڈنڈیاں ہی موجود ہیں۔ چونکہ ٹرانسپورٹ کو قومی ملکیت قرار دے دیا جائے گا۔ لہٰذا سرکاری بسوں کو جہور یہ کے ہر حصہ میں چالو کرنے کا بندوبست بھی کیا جائے گا۔

سوال ——— غالباً آپ اس حقیقت سے واقف نہیں ہونگے کہ کشمیری عوام کے تمام مصائب کی جڑ سرکاری ملازمین کی بڑھتی ہوئی رشوت ستانی ہے۔ کیا آپ کے پاس اس لعنت کو دور کرنے کا بھی کوئی مجوزہ پروگرام ہے ؟

جواب ——— کیوں نہیں! حکومت آزاد اس لعنت کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے وسیع پیمانے پر قدم اُٹھائے گی۔ ہماری یہ کاروائی اصلاحی اور انسدادی نوعیت کی ہوگی۔

واقعی آجکل تو یہ حال ہے کہ مشکل سے کوئی آفیسر دیانتدار نظر آتا ہے۔ ہر محکمہ میں رشوت ستانی کا چلن ہے لیکن اس سے یہ رائے اخذ کرلینا غلط ہوگا کہ رشوت خور ملازمین بنیادی طور پر بدکردار ہیں۔ اور سزا کے مستحق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ساری برائی کی جڑ قلیل تنخواہ ہے جس میں ایک چپڑاسی سے ہرگز یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ تیس روپے ماہوار کی تنخواہ میں اس گرانی کے دور میں اپنے نصف درجن سے زائد افراد کنبہ کو بغیر اور کسی ذریع آمدنی کے پال سکے گا۔ اس بچاؤ کے لئے اور کوئی آسان چارہ کار نہیں ہوگا کہ وہ بخشیش یا ہاتھ گرم کرنے کی صورت میں پیسہ حاصل کرکے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی شکم پروری کرے۔ ایک طرف تو ایسے ملازم ہیں جن کی تنخواہ پندرہ پندرہ سو روپے ماہوار ہے۔ دوسری طرف وہ ملازم ہیں جو تیس ۳۰ چالیس ۴۰ روپے ماہوار لیتے ہیں۔ خاص کر اس صورت میں جبکہ اول الذکر اور ثانی الذکر کے افراد کنبہ کی تعداد برابر ہو۔ بلکہ بعض دفعہ ثانی الذکر ملازم کے افراد کنبہ کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو ان کم تنخواہ کے ملازموں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے فرائض منصبی اور دفتری کام کو بغیر کسی لالچ کے بجا لائیں گے۔ حماقت سے زیادہ نہیں ہے۔ تنخواہوں کا یہ باہمی فرق تمام برائیوں کی ماں ہے۔

لہذا تجویز یہ آزاد کشمیر میں سب سے پہلے یہ قدم اٹھایا جائے گا کہ نچلے درجہ کے اہلکاروں کی تنخواہیں اُن کی ضروریات زندگی کے مطابق بڑھادی جائیں۔ تاکہ رشوت ستانی کا انسداد ہوسکے۔ صرف یہی ایک طریقہ کار موثر اور اصلاحی ثابت ہوسکے گا۔

ممکن ہے کہ اس کاروائی سے بھی معاملہ کا سدھار نہ ہوسکے دُنیا میں ایسے انسان بھی موجود ہیں جو سرشت کے لحاظ سے بھی بدچلن ہیں اور اچھی اور معقول تنخواہوں کے باوجود وہ رشوت خوری سے باز نہیں آسکتے اور موجودہ نظام حکومت میں بھاری بھر کم تنخواہیں پانے والے رشوت خور آفیسر نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی امر ہے۔ ایسے اشخاص کے خلاف سخت تادیبی کاروائی کی جائے گی تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

اس کے علاوہ ہمیں ہر شہری کا خواہ وہ ملازم ہے یا غیر ملازم اخلاقی معیار بھی بلند کرنا پڑے گا۔ اس سے بھی انسداد رشوت ستانی میں کافی مدد ملے گی۔ رشوت ستانی کے سلسلہ میں صرف ملازم ہی مورد الزام نہیں ہیں بلکہ رشوت دینے والے بھی اس جرم سے بری الذمہ نہیں ہیں بلکہ اخلاقی اور قانونی نقطۂ نظر سے رشوت دینے والا زیادہ مجرم ہوتا ہے۔ تعلیم، نشر واشاعت اور صبر و استقلال کے ساتھ ہم عوام کو سکھائیں گے کہ رشوت لینا اور رشوت دینا گناہ عظیم ہیں۔ اور یہ فعل اس قوم کے شایان شان نہیں جو آزادی ایسے مقدس آدرش کیلئے مصروف جدوجہد ہو۔ جونہی کہ ہمارے عوام اعلیٰ تمدنی معیار پر پہنچ جائیں گے رشوت خوری کی یہ لعنت جو کئی برائیوں کی جڑ ہے خود بخود نابود ہوجائے گی۔

چھٹا باب

قول و فعل

سوال ——— میں نے آزاد کشمیر کے متعلق آپ کے دلکش اور حسین نظریات کا حال ہمہ تن گوش ہو کر سُنا ہے۔ آزاد حکومت کی اس تصوراتی سکیم نے اتنا مبہوت کر دیا۔ کہ مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ میں ایک پیکرِ خاکی ہوں۔ اگرچہ آپ کی اس تجویز میں بہت سی نئی ترمیمیں موجود ہیں اور یہ بہت حد تک سُلجھی ہوئی بھی ہے تاہم نوعیت کے اعتبار سے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اس قسم کی سکیمیں اس سے پہلے بھی دُنیا کے اکثر حصّوں میں تیار کی جاتی رہی ہیں۔ ایک ایسی ہی سکیم نیشنل کانفرنس کے کرتا دھرتا نے بھی بنائی تھی اور میں اکتوبر ۱۹۴۷ء یعنی نیشنل پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے تک اس سکیم کی بڑے جوش و خروش سے حمایت کرتا رہا۔ کافی مہینوں تک میں اس روزِ مبارک کی راہ دیکھتا رہا کہ عنقریب کشمیر ایک مثالی ریاست کا درجہ حاصل کر کے ترقی یافتہ۔ خوش حال اور آسودہ ملک بننے والا ہے۔ لیکن ہماری

ساری امیدیں جھوٹے سپنے ثابت ہوئیں کیونکہ ہم نے جلد دیکھ لیا کہ نیشنلٹ حکمرانوں نے اپنے بلند بانگ دعوؤں اور ارادوں پر عمل پیرا ہونے کی بجائے ملک میں پہلے سے بھی زیادہ بُرے حالات پیدا کر دیئے ہیں۔ اس نام نہاد عوامی راج سے پیشتر ہمیں جو تھوڑی بہت سیاسی یا سماجی آزادی نصیب تھی وہ بھی اس نئے نظام میں ہم سے چھین لی گئی۔ اور آج کل ایک محدود سا گروہ ملک کے بلند و پست پر چھایا ہوا ہے۔ اس صورتِ حال نے ناگہانی مصائب اور بُرائیاں پیدا کر کے عوام الناس کی مظلومیت کو کئی گُنا بڑھا دیا ہے لہٰذا میں اگر آپ کی سکیم کے لاگو کرنے میں اپنے شکوک کا اظہار کروں تو مجھے معاف رکھنا۔ کیونکہ پہلے تلخ تجربات اور پُر فریب صورتِ حال نے مجھے کھری کھری سنانے پر مجبور کر دیا ہے لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی سکیم بازیوں کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کہ سادہ لوح عوام کو بیوقوف بنا کر ان کی حمایت حاصل کر لی جائے اور پھر اس حمایت کے بل بوتے پر ملک کے اقتدار پر قبضہ کر لیا جائے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ سکیم اس خود غرضانہ نظریہ سے بالکل پاک ہے؟ مجھے تو ڈر ہے کہ آپ کی جماعت جُوں ہی برسرِ اقتدار آجائیگی اور زمامِ حکومت مضبوطی کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہوگی آپ بھی نیشنل پارٹی کے نقشِ قدم پر چلنا شروع کر دیں گے۔

جواب ——— واقعی آپ کے یہ تلخ مشاہدات حقیقت پر مبنی ہیں۔ ہمارے لوگوں نے ماضی میں بہت بُرے دن دیکھے ہیں اس

لئے ان کے مزاج میں تمرشی اور چڑچڑاپن کا پیدا ہو جانا حیران کن نہیں ہے۔ ہمیں اس روش کی تہ میں اُتر کر اس کے اسباب تلاش کرنے چاہئیں اور پھر اُن کا صحیح علاج تجویز کرنا چاہیئے۔

ہمارا ملک ہر لحاظ سے پسماندہ ہے۔ اور تمدنی اعتبار سے تو ہمارے عوام ابھی بہت نچلی سطح پر ہیں۔ اِن کو اب بھی عصبیت۔ جذباتی رویوں اور گھٹیا درجے کے نعروں سے ورغلایا جا سکتا ہے۔ ہماری روایات میں جمہوری اصول اور اجتماعی طرزِ معاشرت کا ہمیشہ فقدان رہا ہے۔ ایسے ماحول میں جاہ پسند۔ موقع باز اور این الوقت لوگ سادہ لوح عوام کو گمراہ کر سکتے ہیں۔ جمہوریت کی آبرو کا تحفظ کوئی فرد یا گروہ یا جماعت نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس ذمہ داری کو صرف عوام ہی نبھا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے واسطے اِن کو بیدار۔ سلیقہ شعار۔ نکتہ بین۔ اور متمدن ہونا چاہیئے۔ ہم محض اس لئے ہمیشہ گھاٹے میں رہے ہیں کہ ہمارے یہ سادہ دِل عوام اتنے ہشیار اور بیدار مغز نہیں ہیں کہ وُہ اپنے جادۂ منزل کا جائزہ لے سکیں۔

تحریک آزاد کشمیر کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ کوئی جماعت تیار کر کے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا جائے۔ ہم اس بات میں کوئی اعتقاد نہیں رکھتے کہ جب تک ہمارے ہاتھ میں اقتدار نہ آئے گا اس منصوبۂ آزادی پر عمل نہیں ہو سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کا ارادہ کرنا ہماری فکر کے اصولاً منافی ہے اور ہمارے اِن اصول کی کھلی تکذیب کرنا ہے جن کا ہم اب تک پرچار کر رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین صرف یہ ہے کہ خوابیدہ

عوام کو بیدار کیا جائے۔ اِن کی شیرازہ بندی کر کے اِن کو اتحاد و تنظیم کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ اِن کے دِلوں میں جذبۂ خود اعتمادی اُجاگر کیا جائے۔ ان میں وُہ صلاحیت پیدا کی جائے جس سے یہ اپنے گرد و پیش میں رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لے کر اچھے اور بُرے میں تمیز کر سکیں۔ اِن میں آزادی کی انمٹ تڑپ پیدا کی جائے۔ الغرض اِن کو اس قابل بنا دیا جائے کہ وُہ تمدنی ترقی کے بامِ عروج پر پہنچ جائیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے پہلے برسرِ اقتدار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ضرورت ہے بھی تو وہ یہ ہے کہ آزادئ کشمیر کے سلسلہ میں ہر فرد کے قول اور فعل میں پُوری مطابقت ہونی چاہیئے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ جو کچھ یہ شخص کہتا ہے اس پر عمل بھی کرتا ہے یا نہیں۔ اگر ہم اس اصول پر سختی سے ڈٹ جائیں کہ جو کچھ ہم زبانی کہہ رہے ہیں۔ اس کو روزمرہ کی عملی زندگی میں نہ صرف انفرادی بلکہ جماعتی حیثیت سے بروئے کار بھی لانا ہے اور اگر ہم میں جماعت کے اراکین کی دانستہ غلط کاریوں کو چھپانے اور نظر انداز کرنے کی اخلاقی کمزوری نہیں ہے تو یقیناً بغیر کسی اقتدار کے ہم آزاد کشمیر کی جمہوریت کا قیام کرنے میں کامیاب ہو لیں گے۔ اپنے مثالی اقتدار سے ہماری جماعت آزاد کشمیر کے قیام سے پہلے یہ نقوش ثبت کر سکتی ہے کہ یہ جماعت اس ملک میں آئندہ قائم ہونے والی جمہوریت آزاد کشمیر کا تھا سا ماڈل ہے۔ آخر ایک روز جب کہ ہماری جماعت عوام کی محبوب ترین تنظیم بن جائے گی ہمارا یہ خواب

لازمی ہے اور غیر متوقع طور پر شرمندہ تعبیر ہوگا۔ پھر اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ عوام حکومت کی ذمہ داریوں کی صورت میں جو ہمیں پیش کش کریں گے ہم اسے ٹھکرا دیں گے۔ ہم ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے پوری تیار ہوں گے۔ لیکن صرف اپنی طاقت کے نفوذ کی نیت سے اور اپنے اصول کی قربانی دے کر یہ اقتدار حاصل نہیں کریں گے۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ جماعتیں جو اس نظریہ میں یقین رکھتی ہیں کہ جب تک اقتدار ان کے ہاتھ میں نہ ہو یہ کسی سکیم یا منصوبہ بندی پر عمل پیرا نہیں ہو سکتیں نیک نیت نہیں ہیں اور نہ ہی عوام کی سچی آزادی کی خواہش مند ہیں۔ وہ طاقت حاصل کر کے عوام کو محکوم بنانا چاہتی ہیں۔ ہمارا یہ منتہائے مقصود ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور فی الحقیقت ہم اس سے سخت نفرت کرتے ہیں۔

برسر اقتدار آنے سے پہلے ہر سیاسی جماعت کے اعمال نامہ کا ریکارڈ پبلک میں موجود ہوتا ہے۔ ان کے لمبے چوڑے دعووں، عظیم مقاصد اور مخصوص نعرہ بازیوں کے باوجود دور رس اور نکتہ بین لوگ ان کی اصلیت کو تاڑ لیتے ہیں۔ چاہیئے تو یہ کہ ہر جماعت اور اس کے راہنما اقتدار حاصل کرنے کے بعد زیادہ سرگرمی اور دیانتداری سے اپنے اصول پر عمل کریں۔ پبلک زندگی دوغلی یعنی سرکاری اور غیر سرکاری قسم کی نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ خیال کرنا بے وقوفی کی دلیل ہے کہ فرد یا جماعت ان دو حیثیتوں کے اعتبار سے دو مختلف وجود بھی رکھتی ہے

نیشنل پارٹی نے راج سنگھاسن پر براجمان ہو کر جو کچھ کیا ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ لوگ تو کئی برس پہلے ہی اقتدار کی ہوس میں اس قسم کے اعمال و کردار کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے جمہوریت کو مٹانے کی سر توڑ کوشش کی۔ غنڈہ گردی کی لعنت کو ملک کے طول و عرض میں پھیلایا اور لوگوں کو ہراساں کرنے کے لئے اچکوں اور لیٹروں نے ایسے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ رشوت ستانی، کنبہ پروری، اور دھڑے بندی اکتوبر ۱۹۴۷ء سے پہلے ہر نیشنلسٹ کا امتیازی نشان سمجھی جاتی تھی۔ ہر وہ شخص جس نے آنکھیں بند کر کے اس پارٹی کا ساتھ دینے سے گریز کیا اور اس کے راہنماؤں کی چکنی چپڑی بیان بازیوں کے دام فریب میں نہیں پھنسا۔ اصلیت کو خود ہی جان گیا تھا۔ سوشلسٹ پارٹی کے اراکین نے بھی نیشنلسٹوں کی ان کارستانیوں کا پردہ چاک کیا اور عوام کو خبردار رہنے کی تلقین کی۔ لہٰذا برسر اقتدار نیشنلسٹوں کی ستم آرائیاں اور بدکرداریاں غیر متوقع نہیں تھیں۔ بلکہ وہ خود ہی اس کی پیش بینی کر چکے تھے۔

ہم نہیں چاہتے کہ ہماری جماعت کے معیار کا اندازہ صرف اس کے اعلانات۔ منشورات۔ اور منصوبوں سے کیا جائے۔ ہمیں اپنے اعمال کی روشنی میں جانچا جانا چاہیئے۔ اگر ہماری جماعت اپنے عوام۔ اپنے حلقۂ اثر اور خاص کر اپنے مخالفین میں اپنے جمہوری نظریات کو بخوبی عملی شکل دینے کی اہل ہے تو یقیناً جمہوریہ آزاد کشمیر کے قیام کا سہرہ اس کے سر ہوگا۔ بصورت

دیگر یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کو یہ حقیقت فراموش نہیں کر دینی چاہیئے کہ جب تک عوام تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے ترقی یافتہ نہیں بن جائیں گے۔ اُن میں برے بھلے کی تمیز کرنے کا جوہر نہ اُبھرے گا۔ اِن کو کوئی شخص آسانی سے فریب نہ دے سکے گا۔ اور جب تک یہ سیاسی بہروپیوں کی اندھی تقلید کرنا نہ چھوڑ دیں گے اور ہر کشمیری آپ اپنا راہنما نہ بن جائے گا تب تک آزاد کشمیر کا قیام ناممکن رہے گا۔ ہم اپنے ملک میں ترقی و عروج کے اس دور کو کسی سے اقتدار چھین کر قائم نہیں کریں گے بلکہ ایک غمگسار مفکر اور راہنما کی حیثیت سے عوام کی اصلاح کا کام اُس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک یہ پوری طرح آزاد نہ ہو جائیں۔

بے شک یہ ایک بہت مشکل کام ہے اس کے لئے ان تھک محنت۔ استقلال۔ قوتِ برداشت اور آزادی کی جنگ لڑنے والوں کی یکجہتی کی ضرورت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اس آدرش کے حصول کا اور کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں ہے ہمیں لازماً صبر کے طریقے سے دھیرے دھیرے اپنی اس لمبی راہِ عمل پر گامزن رہنا پڑے گا وہ لوگ جن کا یہ خیال ہو کہ آزادی کہیں اوپر سے ٹھونسی جاتی ہے۔ عوام کے لئے صحیح آزادی کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اِن کے ہاتھ میں ہمیشہ کھوٹا سکہ ہوگا جس کو وہ چلانے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔ عوام کے لئے وہ آزادی سچی مانی جاتی ہے جس کی تاسیس ان کی ذہنی و تمدنی ترقی پر کی جائے۔ لہٰذا آزادی کے متوالوں کا فرض ہے کہ وہ پہلے اس مضبوط نیو کی داغ بیل ڈالیں جس

پر آزادی کی عظیم عمارت کو استوار کرنا ہے۔ اس قسم کی عمارت کو کسی بھی تخریب کار کا ہاتھ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اس کے گرنے کا کبھی خدشہ نہیں ہوگا۔

سوال ——— آپ کے پاس وہ کون سے وسائل ہیں جن سے آپ کشمیری عوام کی صدیوں پرانی جہالت کے خلاف نبرد آزما ہونگے۔ اور اِن کو حصولِ آزادی کے لئے اپنی مجوزہ راہِ ترقی پر لگائیں گے؟

جواب ——— ہم معقول دلائل اور آدمیت کے سہارے پر ان برائیوں کا مقابلہ کریں گے۔

معقولیت کی یہ تعریف کی جا سکتی ہے کہ وہ ترقی یافتہ انسانی ذہن جو استدلال کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہو اور جس کا مقصد اس اخلاقی و فلسفیانہ نظام کا قیام ہو جس کی توثیق انسانی تجربے سے کی جا سکے۔ اور یہ نظام ضروری ہے کہ ایک مخصوص گروہ بندی۔ تنگ نظر عقیدہ شعاری اور خود غرضانہ حاکمیت کے دباؤ سے بالکل آزاد ہو۔ آدمیت سے مراد وہ نظریۂ حیات ہے کہ جس کے تحت ہر انسان ہر لحاظ سے مساوی درجہ رکھتا ہے۔ ایک دوسرے کی محبت کا سلوک اس کی فطرت کا لازمی جزو ہوتا ہے۔ ہر انسانی دُکھ اور سُکھ کا اسے احساس کلی ہوتا ہے۔ انسان کائنات کی اشرف ترین متاع ہے۔ ہماری جنگِ آزادی لڑنے والی جماعت کے ہر ایک کارکن کو ان ہر دو اُصول کی رُوح کو سمجھنا ہوگا اور اِن کے اطلاق اور ان پر عمل پیرا ہونے کے طریقوں سے واقف ہونا پڑے گا۔ اگر کچھ ذہین مرد اور عورتیں

کی مٹھی بھر تعداد بھی مکمل انسانیت اور معقولیت پسندی کے جوہر سے شناسا ہو جائے اور اس پر عمل کرنے کی صلاحیت ان میں پیدا ہو جائے تو وہ ہر مخالف آواز کو اپنے موافق بنا کر عوام کو جہالت کی دلدل اور پسماندگی کے گڑھے سے نکال کر آزادی کے مقدس آدرش کی طرف لے جا سکتے ہیں۔ انسانیت اور معقولیت پسندی دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک ہی جوہر کے دو نام ہیں۔ یہ نظریہ کوئی نیا نہیں ہے۔ بلکہ یہ جوہر اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان بذاتِ خود قدیم ہے۔ دنیا کا ہر سچا مذہب معقولیت اور انسانیت کا دعویدار رہا ہے۔ لہٰذا تحریک آزاد کشمیر کے کارکن اس وقت تک ملک کے باقی سماجی معاملات کو اپنے عملی پروگرام میں شامل نہ کریں گے۔ جب تک کہ وہ ان ہر دو سنہری اصولوں کا پوری طرح تجزیہ کر کے ان پر کاربند نہ ہو جائیں۔

سوال ——— فرض کیجئے کہ آپ جس سکیم کا تصور کئے ہوئے ہیں وہ اچھی طرح ملک میں لاگو ہو جاتی ہے۔ تو کیا اس کے بعد کشمیری عوام پوری آزادی حاصل کر سکیں گے؟

جواب ——— کسی بھی قوم کی مکمل آزادی کا خیال کرنا امر محال ہے کیونکہ آزادی ایک ساکن و جامد شے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک قوی حرکت کا نام ہے۔ کائنات اور اس کی ترقی کی رَو ایک لمحہ کے لئے بھی ساکن نہیں ہوتی ہے۔ یہ دائمی طور پر جاری و ساری رہتی ہے۔ پس آزادی بھی زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ حرکت کر

رہی ہے۔ آج سے سینکڑوں برس پہلے آزادی کا جو تصور تھا وہ فی زمانہ ہمیں مطمئن نہیں کر سکتا کیونکہ اس طویل وقفے میں بہی خواہانِ انسانیت نے اس کی ترقی اور نشوونما کی اور نئی راہیں دریافت کر لی ہیں۔ اس وقت آزادی کا جو مفہوم ہمارے تصور میں ہے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک سو سال کے بعد وہ آنے والی نسلوں کو مطمئن نہ کر سکے۔ لہٰذا ہم صرف آزادی کے بنیادی اصول کا ادراک اور ان کی تشریح تو کر سکتے ہیں مگر ان کے متعلق کوئی ایسا کلیہ اختیار نہیں کر سکتے جس سے آزادی کی مکمل تعریف کی جا سکے۔ پھر بھی ہمیں متفکر اور مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ جب ہم اپنے عوام میں اس صلاحیت کو بیدار کر دیں گے اور وہ ذہنی و تمدنی اعتبار سے آزادی کے مفہوم کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے تو ان میں آگے بڑھنے کا شعور خود بخود پیدا ہو جائے گا۔

ہمارا منشا ہے کہ ہمارے ملک کا ہر فرد صرف اتنی بات سمجھ لے کہ چونکہ وہ اپنی قسمت کا خود معمار ہے اس لئے اپنے مستقبل کی تعمیر اسے خود کرنی پڑے گی۔ انسانی معاملات میں ایسی تقدیر کا جو کسی ان دیکھی قوتوں کے ہاتھ میں کھلونا بنی ہوئی ہو کوئی دخل نہیں ہے۔ قسمت اور موقع بازی کے واہمے کو بھی دور کرنا چاہیئے۔ اور انسان میں صرف یہ جذبۂ خود اعتمادی پیدا ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی تقدیر کا خود ہی خالق ہے۔

ساتواں باب

آزاد کشمیر اور دُنیا

سوال ——— میں نے جو کچھ آپ سے سُنا ہے اس نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ آزادیٔ کشمیر کے متعلق آپ کے نظریات بہت اہم ہیں۔ اور ان سے کسی بھی دیانت دار اور نیک نیت شخص کو جو کشمیر کی بھلائی دل سے چاہتا ہو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ مجھے یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ میں واقعی تعصب، غیر معقولیت اور جذباتی پن کا کافی حد تک شکار بنا ہوا تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کشمیر کی آزادی کا یہی ایک راستہ ہے لیکن میرے ایک اور سوال کا جو کہ میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے براہِ کرم تسلی بخش جواب دیجئے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے صرف آغاز میں یہ امر تسلیم کیا ہے کہ بھارت اور پاکستان صحیح معنوں میں جمہوریتیں نہیں ہیں۔ اور ہماری اس بحث کے روشن پہلوؤں سے بھی یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ واقعی یہ دونوں حکومتیں بالکل غیر جمہوری راہ پر چل رہی ہیں۔ اس صورت میں اگر ہم نے پاکستان سے الحاق کر لیا تو کیا ہماری ترقی کی رفتار رک تو نہیں جائے گی؟ آپ نے

کہا ہے کہ نئے تغیرات کا تقاضا ہے کہ ہم ایک مملکت سے ضرور الحاق کریں اور اس سلسلہ میں آپ نے بھارت پر پاکستان کو اپنے دلائل سے ترجیح دی ہے۔ لیکن فرمایئے تو سہی کہ اس ناطہ کے غیر موافق نتائج کو اپنی حصولِ آزادی کی جدوجہد میں کس طرح متوازن سطح پر رکھیں گے؟

جواب ——— یہ ٹھیک ہے کہ پاکستان کی موجودہ لیڈر شپ میرے تصورِ آزادی کے مکمل طور پر موافق نہیں ہے لیکن اگر یہ خیال کر لیں کہ یہ لیڈر شپ ہی پاکستان کی عوامی طاقت ہے تو آپ کا یہ اندازہ غلط ہو گا۔ پاکستان میں بلا شک و شبہ ایسا عنصر موجود ہے جو اگرچہ اس وقت کمزور سی آزادی کے بارے میں ہمارا ابھی ہم خیال ہے۔ الحاق کے بعد ہم اس عنصر کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اور اپنی تنظیم کو وسیع پیمانے پر پاکستان کے طول و عرض میں مستحکم کر کے عوام میں سیاسی بیداری پیدا کریں گے۔ بلا شک ہمیں سب سے پہلے اپنے عوام کی تربیت کرنی پڑے گی اور جتنا تعمیری کام ہم اپنے ملک میں کریں گے اس کا اثر پاکستان کے حصول پر بھی ضرور پڑے گا۔ اس سلسلہ میں ہمیں یہ نہیں بھول جانا چاہیئے کہ ہماری آزادی کا انحصار صرف پاکستان کی ساری تمدنی ترقی پر ہو گا۔ لہٰذا ہماری اندرونی جدوجہد عام ملکی آزادی میں سنگِ راہ نہیں بننی چاہیئے۔ کیونکہ جب ہم موجودہ دور میں دُنیا کے کسی حصّہ سے بھی کٹ کر نہیں رہ سکتے تو پاکستان سے کسی طرح جُدا رہ سکتے ہیں۔ ساری دُنیا کے عوام کی تحاریکِ آزادی اسی طرح ہم پر اپنے اثرات چھوڑیں گی جس طرح ہمارے تصورات، ہماری جدوجہد اور ہمارے خیالات کی رَو باقی دُنیا کو متاثر کرے گی۔ جب شخصیت پرست حکومتیں خاک میں

مل جائیں گی تو انسانیت صحیح معنوں میں آزادی حاصل کرکے ایک واحد عالمگیر نظام حکومت قائم کرے گی۔ ہماری تحریک کشمیری عوام کی آزادی کے علاوہ اس ہمہ گیر مقصد کے لئے بھی جدوجہد کرے گی۔ کیونکہ جب تک ملکوں کے درمیان قومیت کی دیوار حائل ہے اور نسلی و جغرافیائی حدود نے انسان کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے کسی بھی ملک کی آزادی خواہ وہ کسی بہت بڑے ملک کی ہو یا ہم ایسے محدود تعداد کے باشندوں کی ہو مستقل طور پر کبھی برقرار نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا کسی ایک اعتبار سے بھی ہمارا الحاق پاکستان غیر مفید نہیں ہو سکتا۔ پاکستان سے الحاق کرکے ہمیں اپنی گنتی سے زیادہ ہم خیال لوگوں کے ساتھ قریبی تعلق پیدا کرنے کا موقع ملے گا۔ نوے فیصدی سے زائد پاکستانی عوام استحصالی عناصر کا کئی مختلف صورتوں میں شکار بنے ہوئے ہیں۔ اپنی ذہنی اور تمدنی پسماندگی کی وجہ سے وہ بھی آزادی کے مفہوم سے نابلد ہیں۔ یہ امر قابلِ یقین ہے کہ جب صحیح آزادی کا نصب العین ان کے سامنے رکھا جائے گا تو وہ دیوانہ وار اس مقدس جنگ میں ہمارے ساتھ آملیں گے۔ ان کی غیر ملکی حمایت سے نہ صرف ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے بلکہ یہ ملکوں کے درمیان موجودہ بیگانگی کی مصنوعی حد بندی کو توڑنے میں بھی مددگار ثابت ہوگی اور اس سے ساری دنیا کے انسانوں میں اخوت کا سچا جذبہ پیدا کرکے ایک واحد نظام حکومت قائم کیا جا سکے گا۔

سوال ——— آپ نے اپنی بحث کے شروع میں برعظیم ہندوستان کی وحدت کا اقرار کیا ہے۔ کیا اس امر کا امکان ہے کہ ہند یونین اور پاکستان کبھی مستقبل میں پھر ایک ہو جائیں؟

جواب ——— اگر آپ نے اس برعظیم کی تقسیم کے اسباب کو پوری طرح سمجھ لیا ہے تو بھارت اور پاکستان کے دوبارہ ایک ہونے کے امکانات آپ پر واضح ہو سکتے ہیں۔ جب تک دونوں ممالک میں موجودہ لیڈرشپ برسرِ اقتدار ہے ہند اور پاکستان کے دوبارہ ایک ہو جانے کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ "پیچھے کی طرف چلو" کا گاندھیائی عقیدہ رکھنے والے موجودہ ہندوستانی راہنما ملک میں ایسی صورت حال کو کبھی پیدا نہیں ہونے دیں گے جس سے پاکستانی مسلمانوں کو ہندوستان کی ایکتا پر مائل کیا جائے۔ ہر جمہوریت پرست انسان اور مسلمان طبقہ خصوصاً اچھی طرح جانتا ہے کہ کانگرسی لیڈروں نے جب اکھنڈ ہندوستان کی خواہش ظاہر کی تو اس سے ان کا مدعا دونوں مملکتوں کے عوام کی بہتری اور مسلمانوں کی بھلائی ہرگز نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس کی تہ میں رجعت پسند برہمنی اور پراچین سبھیتا کو ہندوؤں اور ہندوستانی مسلمانوں پر زبردستی ٹھونسنے کا جذبہ کارفرما ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہندو سرمایہ دار اور بڑے بڑے کاروباری مہاجن چاہتے تھے کہ متحدہ قومیت کے بھیس میں مسلم اکثریت کے علاقوں پر قبضہ کرکے انہیں اقتصادی غلام بنا لیا جائے۔ اسی خطرہ کو بروقت بھانپ کر مسلمان راہنماؤں نے ردِعمل کے طور پر ایک علاحدہ مسلمان حکومت کے قیام کا فیصلہ کر لیا تاکہ اسلامی اصولوں پر ایک الگ نظام کی تشکیل ممکن ہو سکے۔ اس طرح ان راہنماؤں نے ہندو قدامت پرستی کو مسلم قدامت پسندی کے ہتھیار سے مقابلہ کیا۔ اگرچہ عقلی اعتبار سے یہ اقدام مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا تھا مگر پھر بھی گاندھیائی عقیدہ کا ایک

مؤثر تو یہی اقدام ہو سکتا تھا۔ مسلم سرمایہ داروں اور اُونچے طبقے نے بھی وہی طرزِ عمل اختیار کیا جو ہندو مہاجنوں کا شیوہ تھا۔ انہوں نے تحریک "احیاء" کا محض اس نیت پر ساتھ دیا کہ کم از کم اپنے اونے پونے کھرے کرنے کے لئے مسلم اکثریت کا ایک مخصوص علاقہ ہاتھ آ جائے گا۔ اس سے یہ بلا شرکت غیرے نئی مسلم ریاست میں جی کھول کر اپنے ہاتھ رنگ سکیں گے۔

یہ تھے تقسیم برِعظیم ہند کے بنیادی اسباب، جن کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ جہاں تک بھارت اور پاکستان کے عوام کی جغرافیائی، اقتصادی، تہذیبی اور لسانی قدروں کا تعلق ہے ایک غیر متعصب انسان برملا کہے گا کہ یہ جداگانہ اکائیاں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی اکائی ہے اور ایک دوسرے کی لازم و ملزوم۔ اب اگر دونوں ایک دوسرے کے خلاف آستین چڑھائے رہے تو ان ہر دو اقوام کے لئے نتائج بہت نقصان دہ اور سخت تباہ کن ثابت ہوں گے۔ ان کی خوش حالی اور ترقی و عروج کا راز باہمی دوستانہ اور ہمدردانہ تعلقات میں مضمر ہے۔ لیکن اس پر تب تک عمل کرنا مشکل ہے جب تک ہر دو ممالک کی حکومتوں پر موجودہ حکمران طبقہ قابض ہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں ایسی لیڈرشپ قائم ہونی چاہیے جو ماضی پرست ہونے کی بجائے مستقبل کی فکر کر سکے اور جس کے انداز میں انسانیت پرور تہذیب کا رنگ جھلکتا ہو۔ ان راہنماؤں کو ہندو اور مسلمان طبقوں میں سے ایسے انقلابی اور ترقی پسند عناصر کو اکٹھا کرنا ہو گا جو ایک دوسرے سے نہ تو متصادم ہوتے ہوں اور نہ ہی ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ اور ان رجعت پسندانہ رجحانات کو ترک کرنا ہو گا جو ہر دو

مذاہب کی بنیادی تعلیم پر اس وقت چھائے ہوئے ہیں۔ ان کو چھوٹی چھوٹی اور غیر اہم بات پر لڑنے جھگڑنے کی عادت کو بھی ترک کرنا ہو گا۔ متنازعہ فیہ امور کا فیصلہ کرنے کے لئے اس لیڈرشپ کو معقولیت پرست اور انسانیت پرور طریقہ کار کو اختیار کرنا ہو گا۔ اس صحت مند نقطۂ نظر سے دونوں ممالک کے عوام کو ایک دوسرے کے قریب لایا جا سکتا ہے۔

اس عظیم فریضہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آزاد کشمیر کو اپنا اہم کردار نبھانا ہو گا۔ کئی صورتوں میں ہماری ریاست پاکستان سے مشابہت رکھتی ہے اور کئی صورتوں میں بھارت کے ساتھ۔ ہم دونوں سے دوستانہ تعلقات اور مخلصانہ معاونت رکھے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا ہمیں دونوں ممالک کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے ایک مستحکم واسطہ یا پل کی حیثیت اختیار کرنی پڑے گی۔

اب ہند اور پاکستان کے ایک کرنے کے مسئلہ پر بات چیت کرنا مصلحت کے خلاف بلکہ بہت خطرناک ہے۔ کیونکہ اس سے مسلم عوام کے دلوں میں شک پیدا ہو جانے کا امکان ہے۔ جس سے فائدہ کی بجائے اُلٹا مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ اب ہندوستان صرف تشدد اور مادی قوت کے ساتھ اکھنڈ ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب پاکستان کو مفتوح کرنا ہو گا۔ اور موجودہ ہندو سیاست دان بھی ہندوستان کو اکھنڈ کرنے کے لئے اسی انداز سے سوچتے ہیں۔ لیکن اس قسم کا اندازِ فکر صرف وہی متعصب اور تنگ نظر لوگ اختیار کر سکتے ہیں جن کی پرورش رجعت پسندانہ ماحول میں گاندھی جی کے فلسفۂ احیاء پر ہوئی ہو جو انسانی آزادی کے احترام سے گریز کرتے ہوں اور کانگرسی مہاپرشوں کے نقش

قدم پر چلنا فخر سمجھتے ہوں۔ ورنہ وہ دانش مند لوگ جو آزادی کی روح کو سمجھ چکے ہوں۔ جنہوں نے اخلاقی اعتبار سے اس قسم کے تعصبات سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہو اور جو دوسروں کو بھی اپنی طرح آزاد دیکھنے کے خواہش مند ہوں کبھی ہندوستان اور پاکستان کو پھر سے ایک کرنے کا خیال تک بھی نہیں کریں گے۔

میں اس سلسلہ میں اپنی ایک بات دہرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہندوستان کے متحد ہونے کا معاملہ اب اس برِ عظیم تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ اور ان سینکڑوں اقوام عالم کے اتحاد کے سلسلہ میں ایک کڑی ہے۔ جن کو انسان کی حرص۔ جاہ پسندی اور جوڑ توڑ کاری نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہوا ہے۔ انسانی ترقی، تمدن کے ساتھ ہی کرۂ ارضی کے تمام حصّوں میں تقسیم کی یہ مصنوعی دیواریں یقیناً گرا دی جائیں گی اور اس وقت نہ صرف ہندو پاکستان ایک ہو جائیں گے بلکہ تمام انسان ایک واحد عالمی نظامِ حکومت کے وفادار شہری کی حیثیت سے اتحاد و یگانگت کی لڑی میں پرو دیئے جائیں گے۔ آدمیت کا بول بالا ہو گا وطنیت اور قومیت کی بنیادوں پر الگ الگ حکومتوں کا قیام ایک افسانہ بن کر رہ جائے گا۔ آزاد کشمیر کی جمہوریہ اس عالمگیر اتحاد کے لئے پوری جدوجہد کرے گی۔ اور تعلیمی۔ اقتصادی۔ معاشی۔ تہذیبی۔ اور فوجی تعمیر و ترقی کے لئے جو مساعی بروئے کار لائے گی اس سے مقصود یہی ہو گا کہ اس حسین و جمیل خطہ کو اس آنے والے عالمی نظام کے ساتھ رشتہ جوڑنے کے قابل بنا دیا جائے۔ ہم کبھی اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کریں گے کہ جب تک ان مختار مطلق حکومتوں کا وجود بغیر کسی عالمگیر نگرانی کے قائم ہے

یہی آزادی دُنیا میں سراب آسا رہے گی۔ ہم اپنے عوام میں نسلی منافرت قومی تفاخر اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کے زہریلے عقائد کو ہرگز پیدا نہیں ہونے دیں گے اور کسی صورت میں بھی آزاد کشمیر کی جمہوریت دوسروں پر جارحانہ اقدام کرنے کی پالیسی اختیار نہیں کرے گی۔

سوال ——— کیا آپ پاکستان کی پان اسلام ازم پالیسی کو تسلیم کرتے ہیں۔ پاکستان ہمیشہ اپنے آپ کو جنوب مشرقی ایشیا کی نسبت مشرق وسطیٰ کا ایک حصّہ سمجھتا ہے۔ کیا یہ صورت پاکستانی عوام کے لئے جو کہ ہزاروں سال سے لے کر تقسیم تک ہندوستان کا ایک غیر منفک جزو رہے ہیں نقصان دہ نہیں ہو گی؟

جواب ——— جغرافیائی لحاظ سے پاکستان مشرق وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا کے درمیان واقع ہے اسے دونوں منطقوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے پڑیں گے چونکہ پاکستان کے باشندوں کی غالب اکثریت دینِ اسلام کی پیروکار ہے لہٰذا اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کا جتنا انس اور مضبوط رشتہ تمدنی لحاظ سے مشرق وسطیٰ کے ساتھ ہے وہ ہندوستان یا جنوب مشرقی ایشیا کے کسی دوسرے ملک کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ پاکستان اپنے تمدنی امور کے باعث پان اسلام ازم کی پالیسی کی طرف زیادہ جھکا ہوا نظر آئے تو اس میں تعجب کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ملایا۔ فجی۔ افریقہ اور جاپان کے علاقوں میں رہنے والے ہند اپنا تمدنی ناطہ اپنے آبائی ملک ہندوستان کے ساتھ مضبوطی سے قائم کرنا

چاہتے ہوں تو ہمیں یہ ایک بالکل فطری امر محسوس ہوگا۔ اسی طرح اگر پاکستانی مسلمان مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک سے اپنا تمدنی رشتہ جوڑیں تو ہمیں بھی تعجب کا اظہار اور اس کو بُرا محسوس نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ ہندوؤں کا احمقانہ اصرار تھا کہ مسلمان اپنے دینی اور تمدنی تعلق کے لئے عرب ممالک کی طرف دیکھیں بھی نہ۔ ہندوؤں کے اس طرزِ عمل نے ہندو مسلم اتحاد کو بالکل ہی ناممکن بنا دیا ہے اپنا یہ تنگ نظر زاویۂ نگاہ ہندوؤں کو اب ضرور بدلنا چاہیئے۔

پاکستان مشرق وسطیٰ کے ممالک کے ساتھ تجارتی اور سیاسی تعلقات بھی قائم کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ دفاعی ضرورتوں کے پیشِ نظر یہ ان ممالک سے فوجی معاہدے بھی کر سکتا ہے۔ پاکستان کے لئے ایسا کرنا بے حد لازمی ہے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ پاکستان کی اس پالیسی سے کسی بھی دانش مند آدمی کو خوف زدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ پاکستان ہندوستان یا جنوب مشرقی ایشیا کے کسی اور ملک سے بھی الگ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس مملکت کا بڑا ٹکڑا یعنی مشرقی بنگال جو پاکستان کی کل دو تہائی حصّہ پر مشتمل ہے ہندوستان اور برما کے درمیان پھنسا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ دور میں دنیا کا کوئی ملک بہت عرصہ کے لئے اپنے ہمسایہ ممالک سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ ہندوستان اور پاکستان کی اقتصادیات کئی لحاظ سے باہم مربوط ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک پر بھی کسی بیرونی ملک نے فوجی چڑھائی کی تو دوسرا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ دونوں ممالک کے باشندے تہذیبی اور سماجی لحاظ سے موجودہ تلخ اور غیر موافق

حالات کے باوجود آپس میں اجنبی نہیں ہیں۔ کئی اعتبار سے برِّ عظیم ہند کے ہندو اور مسلمان پاکستان اور مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں کی نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریبی رشتہ رکھتے ہیں۔ یہ حالات کی ایک انتہائی مضحکہ خیز ستم ظریفی تھی کہ دونوں قوموں کی مشترکہ قدروں کو نئی پود کے لیڈروں نے اجاگر کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ خاص کر میان باز ہندو قوم پرست جو بظاہر ہندو مسلم اتحاد کا راگ الاپتے تھے اور متحدہ قومیت کے تانے بانے میں مصروف نظر آتے تھے در پردہ قدیم برہمنی تہذیب کے احیاء کی سازش میں لگ گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایسی دو قوموں کے درمیان جو ایک ہزار سال سے محبت اور پیار سے اکٹھی رہتی چلی آ رہی تھیں کشیدگی کی وسیع خلیج حائل ہو گئی۔

خواہ کچھ بھی ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ پاکستان اگر آسودہ حال اور ترقی یافتہ ملک بننا چاہتا ہے تو اسے لازماً مشرق وسطیٰ کے ممالک کی طرح ہندوستان کے ساتھ بھی ایک ہمسایہ کے سے تعلقات استوار کرنے پڑیں گے۔ ملک کے امن و سلامتی اور دانش مندی کا تقاضا بھی یہی ہے۔

میں نے اپنے تمام خیالات اور آراء کا بغیر کسی ذہنی بخل کے اظہار کر دیا ہے۔ میں نے اپنی سمجھ اور بساط کے مطابق آپ کے تمام سوالوں کا جواب دیا ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ ان کو جانچیں اور ٹھنڈے دل سے غور کر کے اپنے لئے راہِ عمل تجویز کریں۔ لیکن میں بھی اب آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ہماری اس طویل بحث نے مسئلہ کشمیر اور کشمیری عوام کے مستقبل

کے بارے میں آپ کے جو شبہات تھے اِن کو رفع کر دیا ہے یا نہیں؟ اور کیا آپ اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ آزادئ کشمیر کا صحیح مطلب کیا ہے اور اس کے لئے اور کشمیری عوام کے مفاد کے لئے ضروری ہے کہ وادی صرف پاکستان کے ساتھ اپنا الحاق کرے؟

جواب ——— فی الحال میں مفصل اظہار و بیان کے لئے قاصر ہوں۔ اگرچہ میں ایک گونا اطمینان اور تسکین سی محسوس کر رہا ہوں۔ مگر ایک خوشگوار سی حیرت میں بھی پڑ گیا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں کسی نئی دُنیا میں آ نکلا ہوں۔ یا ذہنی اور روحانی اعتبار سے میں نے دوبارہ جنم لیا ہے۔ مجھے اس بات کی پُوری تسلی ہے کہ آپ نے میری فکر کو کافی ذہنی غذا دی ہے۔ اور یقین جانیئے کہ خواہ اپنی زندگی میں مجھے کوئی بھی راہِ عمل کیوں نہ اختیار کرنی پڑے۔ مگر آپ کی اس بات چیت کو اس لمحہ کے بعد عمر بھر فراموش نہ کر سکوں گا۔

ختم شد